ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
5 تا 11 جولائی 2007ء / 19 تا 25 جمادی الثانی 1428ھ
www.tanzeem.org

اس شمارے میں

ادار یہ
حدیثِ رسول ﷺ کی اہمیت
نکل جاتی ہے جس کے منہ سے......
آخری مورچہ
روحانی کینسر
ملّی سلامت پارٹی کا اسلامی منشور
خاتونِ خانہ
توہین رسالت قوانین پر بحث کا بہانہ
دعوتی وتربیتی سرگرمیاں
عالم اسلام

اسلام کی انقلابی دعوت کا اثر

اسلام کی انقلابی دعوت سے پہلے دُنیا پر جاہلیت کی کارفرمائی تھی۔ اس کا ضمیر متعفن تھا اور رُوح بدبُو دار تھی۔ قدریں اور پیمانے مختل تھے۔ ظلم اور غلامی کا دَور دورہ تھا۔ فَاجرانہ خوش حالی اور تباہ کن محرومی کی موج نے دُنیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ اس پر کفر و گمراہی کے تاریک اور دبیز پردے پڑے ہوئے تھے، حالانکہ آسمانی مذاہب و ادیان موجود تھے مگر ان میں تحریف نے جگہ پالی تھی اور ضُعف سرایت کر گیا تھا۔ اُن کی گرفت ختم ہو چکی تھی اور وہ محض بے جان و بے رُوح قسم کے جامد رسم و رواج کا مجموعہ بن کر رہ گئے تھے۔

جب اس دعوت نے انسانی زندگی پر اپنا اثر دکھایا تو روحِ انسان کو وہم و خرافات، بندگی و غلامی، فساد و تعفن اور گندگی و انارکی سے نجات دلائی اور معاشرۂ انسانی کو ظلم و طغیان، پراگندگی و بربادی، طبقاتی امتیازات، حکام کے استبداد اور کاہنوں کے رسوا کن تسلّط سے چھٹکارا دلایا اور دُنیا کو عفّت و نظافت، ایجادات و تعمیر، آزادی و تجدّد، معرفت و یقین، وثوق و ایمان، عدالت و کرامت اور عمل کی بُنیادوں پر زندگی کی بالیدگی، حیات کی ترقی اور حقدار کی حق رسائی کے لیے تعمیر کیا۔ غرض اس دعوت کی بدولت انسانی وحدت اور اجتماعی عدل وجُود میں آ گیا، اور نوعِ انسانی کو دُنیاوی مسائل اور اُخروی معاملات میں سعادت کی راہ مل گئی۔

ان تبدیلیوں کی بدولت جزیرۃ العرب نے ایک ایسی بابرکت اٹھان کا مشاہدہ کیا جس کی نظیر انسانی وجود کے کسی دَور میں نہیں دیکھی گئی اور اس جزیرے کی تاریخ اپنی عمر کے ان یگانہ روزگار ایّام میں اس طرح جگمگائی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں جگمگائی تھی۔

الرّحیق المختوم
مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

الھدیٰ (284)

سورۃ الانعام

(آیات: 1 تا 2)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② ﴾

''ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور روشنی بنائی۔ پھر بھی کافر (اور چیزوں کو) اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا۔ اور ایک مدت اُس کے ہاں اور مقرر ہے، پھر بھی تم (اے کافرو اللہ کے بارے میں) شک کرتے ہو۔''

سورت کا آغاز الحمدللہ سے ہو رہا ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً سات سات پاروں کے فصل سے سورت کا آغاز الحمد سے ہوا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کی ابتدا الحمدللہ سے ہوئی۔ اب یہاں ساتویں پارے میں سورۃ الانعام کا آغاز الحمدللہ سے ہو رہا ہے۔ پھر پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف الحمدللہ سے شروع ہوتی ہے۔ پھر تیئسویں پارے میں دو سورتیں الحمدللہ سے شروع ہو رہی ہیں، سورۂ فاطر اور سورۃ سبا۔ گویا آخری حصہ بھی اس کے اندر شامل کر دیا گیا۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے آسمان اور زمین بنائے، اور اندھیرے اور اجالے کو نمایاں کر دیا۔ آسمان اور زمین مادی حقائق ہیں، اس لئے ان کے لئے خَلَقَ کا لفظ آیا۔ جبکہ اندھیرا اور اجالا اس طرح کی کسی چیز کا نام نہیں۔ نور اجالا ہے اور جب نور نہ ہوگا تو اندھیرا ہوگا، لہٰذا ظلمات اور نور کے لئے جَعَلَ کا لفظ استعمال ہوا۔ اس طرح اندھیرے اور اجالے کو نمایاں کر دیا۔

ساری تعریف اُس اللہ کو سزاوار ہے جس نے آسمان اور زمین کی تخلیق کی اور اندھیرے اور اجالے کو نمایاں کر دیا۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ جو اپنے رب کا کفر کرتے ہیں، انہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو برابر سمجھ رکھا ہے...... شرک صرف یہی نہیں ہے کہ بتوں کی پوجا کی جائے اور دیوی دیوتاؤں کا اختیار مانا جائے بلکہ شرک کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جن کو پہچاننا ضروری ہے۔ شرک ایک ایسی بیماری ہے کہ جو ہر دور میں بھیس بدل بدل کر آتی ہے۔ چنانچہ اس دور کے شرک کو بھی پہچاننا اور اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ جدید دور کے افکار و نظریات کا صحیح صحیح مطالعہ جدید شرک کے سمجھنے میں ممد ثابت ہوگا۔ اس دور کا بہت بڑا شرک نظریۂ وطنیت ہے۔ بقول اقبال ؎ ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے۔ چونکہ اس انداز میں وطنیت کا نظریہ ہمارے سابق علماء کے دور میں ناپید تھا، اس لئے اُن کے ہاں اس شرک کا ذکر نہیں ملے گا۔ تو شرک کی پہچان میں انسان کو ہر وقت چوکنا اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ شرک وہ گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں۔

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے بنایا، پھر ایک وقت مقرر کر دیا یعنی ہر شخص جو پیدا کیا گیا، اُس کے دنیا میں رہنے کی ایک میعاد مقرر ہے یعنی انسان کی عمر۔ مقررہ میعاد پوری ہونے پر ہر ایک کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ یہ تو انفرادی موت ہے۔ اور ایک اور مقررہ وقت ساری کائنات کے لئے ہے، جس کے بعد اُس پر بھی موت طاری کر دی جائے گی۔ یہ اجتماعی موت ہے۔ اس کا بھی ایک وقت مقرر ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔ اس حقیقت کا فہم بھی کوئی مشکل بات نہیں مگر تم ایسے ہو کہ شک کرتے ہو۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہم قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِیْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ)) (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک ظالم عورت کو ایک بلی کو (نہایت ظالمانہ طریقہ سے) مار ڈالنے کے جرم میں عذاب دیا گیا ہے۔ اس نے اس بلی کو بند کر لیا، پھر نہ تو خود اسے کچھ کھانے دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لیتی (اس طرح اسے بھوکا تڑپا تڑپا کے مار ڈالا)۔''

تشریح: اسلامی اخلاق کا تقاضا ہے کہ انسان کسی ذی روح کے لئے بھی اذیت کا باعث نہ بنے۔ انسان تو انسان ہے، کسی جانور کو بھوکا پیاسا مار دینا بھی اللہ کے عذاب کا باعث ہے۔ موذی جانوروں سانپ بچھو وغیرہ کا معاملہ اور ہے۔ ان کو مار دینے کی اجازت ہے، مگر انہیں بھی بھوکا پیاسا رکھ کر مارنا جائز نہیں۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد 16 — 5 تا 11 جولائی 2007ء — 19 تا 25 جمادی الثانی 1428ھ — شمارہ 26

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ عاکف سعید

لال مسجد کا بحران اور حکومت کی نا اہلی

اسلام آباد میں لال مسجد انتظامیہ کے خلاف حکومتی آپریشن کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہ معاملہ انتہائی افسوسناک، تکلیف دہ اور خطرناک صورت حال کا غماز ہے اور ہر دردمند مسلمان اس پر پریشانی میں مبتلا ہے کہ کیا پھر ایک نئے کربلا کی تاریخ رقم ہونے والی ہے، کہ جذبہ ایمان اور غیرت وحمیت دینی سے سرشار وہ نہایت مخلص، پابندِ شریعت مسلمان مرد و خواتین جو علوم دینیہ کے درس و تدریس میں مشغول تھے، باطل نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے جرم میں خاک و خوں میں غلطاں ہوں گے۔ اے اللہ، خلوص و اخلاص کے ان پیکروں کی حفاظت فرما جو تیرے دین کے قیام و نفاذ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں (آمین)۔ یہ درست ہے کہ رٹ آف دی گورنمنٹ کو چیلنج کرنا حکومت کے ساتھ براہِ راست تصادم کو دعوت دینے کے مترادف تھا، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت واقعہ ہے کہ لال مسجد کی انتظامیہ کے مطالبات اپنی جگہ درست اور لائق توجہ تھے۔

لال مسجد انتظامیہ کے خلاف حکومتی آپریشن کے حوالے سے پی ٹی وی نے حال ہی میں بانی تنظیم اسلامی، محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جو بیان نشر کیا ہے وہ ناقص اور ادھورا ہونے کے باعث مغالطہ انگیز ہے۔ یعنی بیان کا وہ حصہ جس میں حکومت پر تنقید کی گئی ہے اسے حذف کر کے لال مسجد والوں کے مؤقف سے اصولی اختلاف پر مشتمل صرف ایک جملے کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اس انداز سے نشر کیا گیا ہے گویا ہم لال مسجد والوں کی مذمت کرنے والوں میں سے ہیں۔ یہ طرزِ عمل واضح طور پر حکومتی بددیانتی کا عکاس ہے۔ اس ادھورے بیان کے نشر ہونے پر فطری طور پر رفقاء و احباب میں ایک اضطراب پھیل گیا، چنانچہ ذیل میں ہم اس ضمن میں اپنا وہ مؤقف مکمل شکل میں پیش کر رہے ہیں جو اشتہار کی شکل میں اخبارات کو بھجوایا گیا ہے:

لال مسجد کا بحران اور تنظیم اسلامی کا مؤقف

تنظیم اسلامی لال مسجد والوں کے مطالبات کی بھرپور تائید کرتی ہے

پی ٹی وی پر بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کا ادھورا بیان حکومتی بددیانتی کا مظہر ہے!

- ہم' مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی کے مطالبات سے صدفی صد اتفاق کرتے ہیں کہ پاکستان میں شریعت اسلامی کا فی الفور نفاذ کیا جائے، یہ مطالبہ ہر مخلص مسلمان کے دل کی آواز تو ہے ہی، اس کیلئے جدوجہد کرنا مسلمانان پاکستان کے دینی فرائض میں بھی شامل ہے!
- تاہم لال مسجد والوں کے طریق کار کے ضمن ہم اکابر علماء کی اس رائے سے متفق ہیں کہ اُن کا طرزِ عمل قابل اصلاح ہے۔ یعنی اس طرح کا قدم اٹھانے اور حکومت کی رِٹ کو چیلنج کرنے سے قبل وہ ضروری تیاری وہاں نظر نہیں آئی جو اس کام کا ناگزیر تقاضا تھا۔
- حکومت نے لال مسجد والوں کے مطالبات کے ضمن میں غیر سنجیدہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا ہے اور اس بحران کو سلجھانے میں نا اہلی کا ثبوت دیا ہے۔ مذاکرات میں جو باتیں طے ہو جاتی تھیں ان پر حکومت کی طرف سے عمل نہ ہونے کی وجہ سے معاملہ یہاں تک پہنچا۔ جس کا اعتراف چوہدری شجاعت حسین نے بھی چند روز قبل کیا ہے کہ صورت حال کی اصل ذمہ دار انتظامیہ ہے جو مذاکرات میں کئے گئے وعدوں کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔
- پاکستان کے قیام کو 60 سال گزرنے کے باوجود یہاں شریعت اسلامی کو عملاً نافذ نہ کرنا مسلمانان پاکستان کا وہ اجتماعی جرم ہے جس کا خمیازہ آج پوری قوم امریکہ کی غلامی کی شکل میں بھگت رہی ہے۔ اس جرم میں سب سے بڑا حصہ حکمران طبقے اور موجودہ حکومت کا ہے جو نفاذ شریعت کی ذمہ داری پوری کرنے کی بجائے یہاں منکرات اور فواحش کو فروغ دینے اور اسلام کی جڑیں کھودنے پر کمربستہ ہے۔

لھذا ھمارا مطالبہ ھے کہ

حکومت طاقت کے استعمال سے گریز کرتے ہوئے مثبت مذاکرات اور مناسب لچک کے ذریعے اس بحران کو حل کرے یعنی لال مسجد والوں کے خلاف مقدمات واپس لئے جائیں اور نفاذ شریعت کی طرف ٹھوس اقدامات کا آغاز کیا جائے، بصورت دیگر ملکی بقاء و استحکام کو شدید خطرات لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

منجانب: تنظیم اسلامی، 67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

سید قاسم محمود

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

(از: بالِ جبریل)

علامہ اقبال کی شاعری کے اکثر حصے میں مسلم عہد کے سپین پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ وہ اس عہد میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ اور المناک حقائق سے بہت متاثر تھے۔ وہ 1934ء میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو واپسی میں ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا اور اُموی عہد کے آثارِ قدیمہ بھی دیکھے۔ پچھلی نظم ''دُعا'' کی طرح یہ نظم ''مسجد قرطبہ'' بھی انہوں نے ہسپانیہ ہی میں لکھی تھی۔ مسلمانوں کے عہد میں ہسپانیہ نے زندگی کے ہر شعبے میں جو بے مثال ترقی کی تھی، وہ اب تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئی ہے اور بظاہر اس کے احیاء کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ بے شمار الحمراء جیسے محلات، مساجد، درس گاہیں اور دوسری عظیم الشان عمارتیں، جو مُسلم سپین میں تعمیر ہوئیں، وہ فنِ تعمیر کے لحاظ سے دنیا بھر میں مثالی اہمیت رکھتی ہیں، لیکن افسوس کہ مسلمان حکمرانوں کے زوال کے بعد یہ سارا انسانی ورثہ عیسائیوں کی بربریت اور تشدد کا شکار ہوگیا۔ لے دے کر محض مسجد قرطبہ باقی رہی جس کو عیسائیوں نے گرجا بنالیا۔

''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' کے مطابق مسجد قرطبہ دنیا کی عظیم الشان اور نادرِ روزگار عبادت گاہوں میں شمار ہوتی ہے۔ اِس مسجد کی بنیاد ہسپانیہ میں اموی سلطنت کے بانی عبدالرحمٰن اوّل نے رکھی تھی۔ بعد میں متعدد حکمرانوں نے اس میں قابلِ قدر اضافے کیے۔ مسجد قرطبہ کا طول 648 اور عرض 440 فٹ ہے'' یعنی وسعت کے لحاظ سے یہ دنیا میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ جامع مسجد دہلی کی تعمیر پر دس لاکھ روپیہ صَرف ہُوا تھا، لیکن مسجد قرطبہ پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ سے زائد خرچ ہُوا تھا۔

مسجد قرطبہ میں ایک ہزار چار سو سترہ ستون تھے، جو اس قدر تاب دار تھے کہ ان میں انسانی عکس نظر آتا تھا۔ دیواروں میں اکیس دروازے تھے جن پر پیتل منڈھا ہُوا تھا۔ ان پر بے حد خوبصورت ملمع کاری کی گئی تھی۔ مسجد میں روشنی کے لیے دو سو اسی بلوریں فانوس آویزاں تھے۔ سب سے بڑے اور مرکزی فانوس میں ہر وقت چودہ سو موم بتیاں جلتی رہتی تھیں۔ دیواروں میں کم وبیش سات ہزار چار سو پچیس پیالے آویزاں تھے جو تیل بتی سے روشن رہتے تھے۔ آذان کے لیے جو مینار تعمیر کیا گیا تھا، وہ ایک سو ساٹھ فٹ بلند تھا۔ اُس کی چوٹی پر سونے اور چاندی کے سیب نما گولے نصب تھے جو سورج کی شعاعوں کی وجہ سے میلوں دُور سے چمکتے تھے۔ شاہی خانوادے کے لیے جو حصہ مسجد میں مخصوص تھا، اُس کے دروازوں پر سونے چاندی کا منقش کام تھا اور تمام ستون لاجورد کے بنے ہوئے تھے۔ مسجد کا منبر ہاتھی دانت، آبنوس اور صندل کے کم وبیش چھتیس ہزار ٹکڑوں سے تیار کیا گیا تھا اور سنہری کیلوں سے جوڑا گیا تھا۔ اس عجوبہ رُوزگار مسجد کی تکمیل میں کم وبیش سات سال لگے تھے۔

جس طرح مسجد قرطبہ مسلمانوں کے فنِ تعمیر کا شاہکار ہے، اسی طرح اقبال کی یہ نظم ''مسجد قرطبہ'' بھی اُردو ادب کا شاہکار ہے۔ اِس میں رمزیت اور ایمائیت، رومانیت اور جذبات نگاری، حقیقت پسندی اور کلاسیکیت یعنی فنِ شاعری کی تمام خوبیاں بیک وقت جمع ہوگئی ہیں۔ اقبال نے اپنی خداداد تخلیقی قوت سے کام لے کر ان تمام معنوی اور صوری خوبیوں کو اس طرح باہم دگر مربوط کر دیا ہے، کہ اگر ایک طرف اِس نظم میں غیر معمولی دلکشی پیدا ہوگئی ہے تو دوسری طرف خود اُن کا شمار دنیا کے صفِ اوّل کے شعراء میں ہونے لگا ہے۔

اِس نظم ''مسجد قرطبہ'' میں شعری محاسن کے علاوہ تاریخ، فلسفہ اور رجائیت کے عناصر بھی موجود ہیں۔ اقبال نے اختصار کے ساتھ، مسلمانانِ اُندلس کی تاریخ بھی بیان کر دی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ بھی کھینچ دیا ہے اور مسلمانوں کو اُن کے شاندار مستقبل کی جھلک بھی دکھائی ہے۔ ان تمام ظاہری و باطنی خوبیوں کی بناء پر نظم میں بے اندازہ جاذبیت اور بے پناہ دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔

اِس نظم میں آٹھ بند ہیں، اور ہر بند میں ایک مرکزی خیال پایا جاتا ہے۔

پہلے بند میں زمانے کی حقیقت اور کارِ جہاں کی بے ثباتی بیان کی ہے۔

دوسرے بند میں عشق کی صفات واضح کی ہیں۔ یہ دو بند بطور تمہید لکھے ہیں۔

تیسرے بند میں مسجد قرطبہ سے خطاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس مسجد کی بنیاد عشق پر رکھی گئی تھی۔

چوتھے بند میں مسجد کی شان وشوکت کا تذکرہ ہے اور ضمناً ملتِ اسلامیہ کی بقا اور احیاء کا مژدہ بھی سنایا ہے۔

پانچویں بند میں ''مردِ مومن'' کا تصور پیش کیا ہے

چھٹے بند میں عربوں کی فتوحات اور عظمتِ رفتہ کا بیاں ہے۔

ساتویں بند میں یورپ کے بعض اہم انقلابات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آٹھویں بند میں شاعر نے الہامی رنگ میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی پیش گوئی کی ہے۔ اور آخری شعر میں اپنا فلسفہ، پیغام کی صورت میں پیش کیا ہے، تاکہ اِس نظم کا مقصد واضح ہو سکے۔

نظم کی اِس مختصر تمہید کے بعد آتے ہیں تشریح کی طرف۔ اِس کے لیے اگلے شمارے تک انتظار کرنا ہوگا۔

حدیث کی اہمیّت اور اُس کا مقام و مرتبہ

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

سب جانتے ہیں کہ دین اسلام اور شریعت اسلامی کی دو بنیادیں ہیں، ایک ہے اللہ کی کتاب قرآن حکیم، اور دوسری سنت رسول ﷺ۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں فرق یہ ہے کہ کتاب اللہ وحی جلی کی بنیاد پر ہے، اور یہ وحی بالمعنیٰ نہیں ہے، وحی باللفظ ہے۔ انگریزی میں اسے ''Verbal revolution'' کہتے ہیں۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ وحی ''وربل'' نہیں ہوتی، یعنی اُس کے الفاظ اللہ کے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ یہ اللہ کے کلام کا ایک مفہوم ہوتا ہے جو رسول کو منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اب رسول اس مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کرتا ہے۔ ہمارا تصور یہ ہے کہ وحی جلی Verbal revolution یعنی لفظ بلفظ اللہ ہی کا کلام ہوتی ہے۔ پس قرآن حکیم لفظ بلفظ اللہ کا کلام ہے اور اس کے مقابلے میں سنت رسول جو وحی خفی پر مبنی ہے، وہ وحی باللفظ نہیں ہے، وحی بالمعنیٰ ہے۔ یہ مفہوم ہے جو اللہ کی طرف سے آیا، لیکن اس کے الفاظ اللہ کے رسول ﷺ کے ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن لفظ بلفظ محفوظ ہے۔ اِس کے مقابلے میں سنت کی حفاظت قرآن کی طرح لفظ بلفظ نہیں ہے۔ سنت اس معنی میں تو یقیناً محفوظ ہے کہ تاریخ انسانی میں صرف ایک مثال ایسی ہے کہ کسی شخصیت کے اقوال اور اعمال کی صحت کو پرکھنے کے لیے لاکھوں انسانوں کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے لئے اسماء الرجال کا علم وجود میں آیا، جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ تو اس اعتبار سے یقیناً حدیث کی حفاظت کی گئی ہے، لیکن یہ حفاظت بالواسطہ (Indirectly) ہوئی ہے۔ اور یہ حفاظت اس معنی میں نہیں ہے کہ سنت لفظ بلفظ محفوظ ہو، بلکہ الفاظ میں فرق موجود ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ سے ایک مجمع میں کچھ لوگوں نے باتیں سنیں اور پھر جب انہوں نے روایت کی تو الفاظ میں بہت بڑا فرق ہو گیا۔ اِس کی ایک بڑی مثال اُم السنۃ، حدیث جبرئیل ہے جو متواتر حدیث ہے، لیکن مختلف راویوں نے جب اسے بیان کیا ہے تو لفظی طور پر اس میں اختلاف ہو گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث اور سنت کو بالعموم مترادف سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ یہ دو مختلف الفاظ ہیں۔ ان کا مفہوم جدا ہے۔ سنت حضور ﷺ کا تعامل اور آپؐ کا طرزِ عمل ہے، اور حدیث اس کا تحریری ریکارڈ ہے۔ سنت کو معلوم کرنے کے دو ذرائع ہیں۔ ایک حدیث، دوسرا اُمت کا تواترِ عمل۔ حضور ﷺ کو عمل کرتے ہوئے صحابہؓ نے دیکھا تو انہوں نے آپؐ کی پیروی کی۔ صحابہؓ کو عمل کرتے ہوئے تابعین نے دیکھا تو وہ ان کے نقش قدم پر چلے، تو اس طرح ہوتے ہوتے نسلاً بعد نسل تواتر کے ساتھ بہت سی چیزیں اُمت کو منتقل ہوتی چلی گئیں۔ اُمت کا یہ تواترِ عمل سنت کے علم کا ذریعہ ہے۔

حدیث اور سنت کے الفاظ اللہ کے لیے بھی آئے ہیں، اور رسول کے لیے۔ مثلاً فرمایا:

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾﴾ (الفتح)

''(یہی) اللہ کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے۔ اور تم اللہ کی عادت کبھی بدلتی نہ دیکھو گے۔''

سورۂ فاطر میں فرمایا:

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾﴾

''سو تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔''

اللہ اور رسولوں کے لئے سنت کا لفظ سورۃ الاسراء میں آیا ہے۔ فرمایا:

﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾﴾

''وہ پیغمبر جو ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے، اُن کا (اور اُن کے بارے میں ہمارا یہی) طریق رہا اور تم ہمارے طریق میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔''

اسی طرح حدیث کا لفظ بھی اللہ تعالیٰ کی بات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (آیت 87)

''اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے۔''

سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا:

﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ ۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (آیت 185)

''تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔''

حدیث کا لفظ حضور ﷺ کے لیے بھی آیا ہے۔ جیسے

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾ (التحریم: 3)

''اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بی بی سے ایک بھید کی بات کہی تو (اُس نے دوسری کو بتا دی)''

حدیث دو طرح کی چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک قسم اخبار کہلاتی ہے، جو خبر کی جمع ہے۔ اور دوسری کو آثار کہتے ہیں، جو اثر کی جمع ہے۔ خبر کہتے ہیں، حضور ﷺ کے قول، فعل یا تقریر کو۔ یاد رہے کہ یہ تقریر وہ نہیں جو ایک مقرر کسی اجتماع میں کرتا ہے، بلکہ یہاں تقریر سے مراد یہ ہے کہ کوئی کام حضور ﷺ کے سامنے کیا گیا، اور آپؐ نے اُس سے روکا نہ ہو۔ اور آپ کے نہ روکنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اسے برقرار رکھا، اور اِس طرح اُسے سند جواز حاصل ہو گئی۔ اثر کسی صحابی کے قول، فعل یا تقریر کو کہتے ہیں، اور گمان غالب ہے کہ صحابی نے جو بات کہی وہ اپنی طرف سے نہیں کہی، اِسی طرح اُس نے جو عمل کیا وہ بھی آپؐ کے بتانے سے کیا، لہٰذا خبر اور اثر دونوں کے مجموعے کو حدیث کہیں گے۔ بالفاظ دیگر حدیث کے اندر اخبار بھی ہیں، اور آثار بھی۔

حدیث رسول کے دو حصے ہیں۔ ایک متن یعنی جو بات آپؐ نے بیان فرمائی، اور دوسری سند، یعنی وہ حصہ جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حضور ﷺ سے کس نے سنا، اس سے کس نے سنا، اس سے کس نے سنا، دوسرے الفاظ میں بیان کرنے والے کے مقصود کے منتہا کو متن کہا جاتا ہے جبکہ اُس کے طریق اور سلسلے کو سند کا نام دیا جاتا ہے۔ روایت کرنے والے راوی کہلاتے ہیں۔

سند میں روایت کی تمام کڑیاں بیان کی جاتی ہیں۔ یعنی حضور ﷺ سے صحابی، صحابی سے تابعی، تابعی سے تبع تابعی نے، یہ بات سنی، وغیرہ۔ حضور ﷺ کی شخصیت مبارکہ سے لے کر محدث تک یہ کڑیاں پوری ہونی چاہئیں۔ مثال کے طور پر امام بخاریؒ اپنی کتاب بخاری شریف میں کوئی حدیث لا رہے ہیں تو انہیں اپنی شخصیت سے لے کر حضور ﷺ تک کے درمیان کے تمام link s بیان کرنے پڑیں گے، تب وہ حدیث مستند درجے کی حدیث بنے گی۔ پھر محدث سے ہمارے ہاں علماء کے اندر بھی سند چلتی ہے۔ وہ شخص جو آج حدیث بیان کر رہا ہے، اگر وہ واقعی محدث ہے، تو امام بخاریؒ سے اپنے آپ تک بھی اس کے پاس روایت کرنے والوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ سند میں دیکھنا یہ پڑتا

ہے کہ فلاں شخص جو سلسلہ رواۃ کے بیچ میں آ گیا ہے، اس کے بارے میں کوئی ایسی رپورٹ تو نہیں ہے کہ وہ جھوٹا تھا، یا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کی یادداشت کمزور ہوگئی اور اُسے سوءِ حفظ کا کوئی عارضہ لاحق تھا۔ اِسی غرض سے ہمارے ہاں تمام راویوں کے احوال کی چھان بین کی گئی۔ اُن کے نام، سیرت وکردار وغیرہ کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے۔ اِس علم کا نام اسماء الرجال ہے۔

سند کے اعتبار سے حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً

متصل: وہ حدیث جس کی ساری کڑیاں حضور ﷺ سے لے کر محدث تک intect ہوں۔ کہیں کوئی وقفہ نہ ہو۔

مرفوع: اِس حدیث کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ سے روایت کی جارہی ہو۔

مرسل: وہ روایت ہے جسے ایک تابعی حضور ﷺ سے نقل کر رہے ہوں، اور یہ نہ بتا رہے ہوں کہ حضور ﷺ اور ان کے درمیان کس صحابی نے انہیں بتایا ہے۔

حدیث ضعیف (کمزور حدیث): اس سے مراد ایسی روایت ہے جس میں کسی ایک راوی کے بارے میں شک ہو۔ یا تو اس کا کردار معیاری نہ ہو۔ اس کے اخلاق، اس کی سیرت اور اس کے معاملات کی درستی میں شبہ ہو۔ یا اس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا حافظہ کمزور ہے یا سند میں سے کوئی راوی گر گیا ہو، بہرحال اِن تین میں سے کوئی ایک وصف بھی اگر کسی ایک کڑی میں بھی پایا گیا ہو، تو وہ حدیث ضعیف ہوگی۔

موضوع: وہ روایت جس کے بارے میں، محدثین نے تحقیق کر کے اور چھان بین کے بعد یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ یہ گھڑی ہوئی حدیث ہے، ایسی حدیث موضوع کہلاتی ہے۔ اس کی حضور ﷺ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے۔

ہمارے ہاں یہ روش پائی جاتی ہے کہ بالعموم جب کسی حدیث کے ساتھ ''ضعیف'' لکھ دیا جائے، تو ہمارا خیال یہ ہوتا ہے کہ اِسے چھوڑیئے، یہ ضعیف حدیث ہے۔ حالانکہ یہ اندازِ فکر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ضعیف احادیث میں بھی بہت سی ایسی حدیثیں موجود ہیں جو حکمت کے موتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان احادیث کے راویوں کے سلسلے میں کہیں ضعف ہوتا ہے (اِسی لیے ضعیف کہلاتی ہیں،) مگر انہیں جھٹلایا تو نہیں جاسکتا، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ گھڑی ہوئی ہیں۔ گھڑی ہوئی روایتوں کے لیے تو الگ اصطلاح ''موضوع'' موجود ہے۔ بہرحال ضعیف احادیث متروک نہیں ہوں گی۔ اگرچہ ان سے کوئی حکم شرعی نہیں نکلے گا، کسی شے کی حلت، حرمت، فرضیت وغیرہ کا تعین ان سے نہیں ہوگا، مگر جمہور محدثین کا کہنا یہ ہے کہ فضائل کے ضمن میں آنے والی ضعیف احادیث (یعنی جن میں کسی عمل کی فضیلت بیان ہورہی ہو) قابل قبول ہیں۔ اس عمل کے ضمن میں انہیں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں بہت سے مصنفین آئمہ نے اپنی کتابوں میں ضعیف حدیثوں کو شامل کیا ہے، اگرچہ وہ ثابت تو نہیں ہوسکیں۔

اب لفظ ''اربعین'' کی کچھ وضاحت ہو جائے، کیونکہ ہمیں ان مجالس میں ''اربعین نووی'' کا مطالعہ کرنا ہے۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے جو اگرچہ ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اجماع ہے، مگر اس کے راویوں میں جلیل القدر صحابہؓ کے نام آتے ہیں، مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوہریرہؓ، اور حضرت ابوسعید خدریؓ وغیرہ اور چونکہ یہ حدیث اتنے زیادہ صحابہؓ سے روایت ہوئی ہے اور یہ سب فقہائے صحابہ میں سے ہیں، لہٰذا علماء کرام نے اِس پر بہت توجہ دی ہے۔ اب وہ حدیث ملاحظہ کیجئے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ: مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْ اَمرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَّكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَّشَهِيْدًا))

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اُمت کے لیے اُمورِ دین سے متعلق چالیس حدیثیں حفظ کرلیں، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کو زمرۂ علماء میں اُٹھائے گا اور مَیں اس شخص کی شفاعت کروں گا اور اُس کے حق میں گواہی دُوں گا۔''

ایک روایت میں آیا ہے: ((بعثه الله فقيهاً عليما)) ''اللہ اُسے اٹھائے گا اس حیثیت میں کہ وہ فقیہہ اور عالم شمار ہوگا۔'' حضرت ابودرداءؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ((و كنت له يوم القيامة شافعا و شهيدا)) ''(حضور ﷺ فرمارہے ہیں) میں اس شخص کے لیے قیامت کے دن سفارش کرنے والا بھی ہوں گا اور اس کے حق میں گواہی دینے والا بھی ہوں گا۔'' حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے: ((قيل ادخل من اى ابواب الجنة شئت)) ''تم جنت کے جس دروازے میں سے چاہو، داخل ہو جاؤ۔'' اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے: ((كتب فى زمرة العلماء و حشر فى زمرة الشهداء)) ''اس شخص کا نام علماء کی فہرست میں لکھا جائے گا اور وہ میدان حشر میں شہداء کے ساتھ لایا جائے گا۔''

میں نے حدیث کے ترجمہ میں ''حفظ'' کے لفظ کو برقرار رکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ حفظ کے بارے میں پائے جانے والے تصور کی اصلاح ہو۔ دیکھئے، ہمارے ہاں حفظ کا ایک عجیب تصور ہے، وہ یہ کہ کوئی شخص قرآن کا حافظ بن جائے، خواہ مفہومِ قرآن کی الف ب سے بھی واقف نہ ہو۔ حقیقت میں ایسا شخص تو نام کا حافظ ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے اگر کوئی حفظ کرتا تھا، تو قرآن مجید کے متن اور اس کے مفہوم دونوں کو یاد کرنا اُس کے پیش نظر ہوتا تھا، بلکہ ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں ایک روایت ہے جس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے وہ لوگ کہ جن کا خاص شغف قرآن سے تھا، جیسے حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب نبی اکرم ﷺ سے دس آیتیں پڑھ لیتے تھے، تو جب تک اس کے علم اور عمل دونوں کو حاصل نہیں کر لیتے تھے، آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ حفظ کا تقاضا تب پورا ہوگا جب تین چیزیں جمع ہوجائیں یعنی حافظے میں الفاظِ قرآن محفوظ ہو جائیں، قرآن کا علم ذہن میں آجائے، اور اُس پر عمل سیرت کا حصہ بن جائے۔ جب یہ تین شرطیں پوری ہوں گی تو پھر آدمی حافظ کہلائے گا۔ حفظ کے اِس معانی کو یہاں apply کیا جائے تو روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ روزِ قیامت اُس شخص کا شمار علماء میں سے ہوگا جس نے اُمورِ دینیہ سے متعلق آپ ﷺ کی چالیس حدیثیں حفظ کیں، یعنی اُن کے الفاظ اس کے حافظے میں آ گئے، ان کا فہم حاصل کر لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اسی معنی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت قرآن حکیم کو قرار دیا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس کچھ تابعی حاضر ہوئے۔ انہوں نے سوال کیا: ہمیں حضور ﷺ کی سیرت کے بارے میں بتایئے۔ حضرت عائشہؓ نے پلٹ کر سوال کیا: کیا تم لوگ قرآن نہیں پڑھتے؟ انہوں نے عرض کیا: اُم المومنین! قرآن تو ہم پڑھتے ہیں، ہم نے تو آپ کی سیرت کے متعلق پوچھا ہے۔ اُم المومنین نے جواب دیا: ''كان خلقه القرآن'' یعنی ''حضور ﷺ کی سیرت قرآن ہی تھی۔'' قرآن متلو ہے (تلاوت کیا جاتا ہے) اور یہ الفاظ اور حروف کی شکل میں تمہارے سامنے موجود ہے اور نبی اکرم ﷺ قرآن مجسم تھے۔ قرآن ان کی رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔ ان کی پوری شخصیت کا جزو لازم بن گیا تھا۔ قرآن کی جملہ تعلیمات کو اگر مجسم شکل میں دیکھنا ہو، تو وہ محمد ﷺ ہیں۔ تم قرآن پڑھو، تو اُس کے آئینے میں تمہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت نظر آئے گی۔

حضرات! اس وقت دنیا میں دو فتنے بہت عظیم ہیں۔ اور بدقسمتی دونوں کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ اِن دونوں فتنوں کا تعلق آنحضور ﷺ کی شخصیت سے ہے۔ ایک ہے ختم نبوت، نبوت کی مہر توڑنا، جس کے لئے جھوٹے مدعیان نبوت نبوت کے دعوے کرتے رہے ہیں۔ ماضی میں ایران میں بہاء اللہ نامی شخص کے ذریعے یہ فتنہ خوب پھیلا۔ چنانچہ آج بہائی عقائد کے لوگ مسلم ممالک سمیت دنیا کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔ مغرب میں تو اِن کی کثیر تعداد موجود ہے۔ ان کے اپنے دفاتر ہوتے ہیں، لائبریز ہوتی ہیں، ریڈنگ رومز ہوتے ہیں، جہاں یہ اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں جھوٹی نبوت کا جو فتنہ پورے زور وشور سے پھیل رہا ہے، وہ قادیانیت کا فتنہ ہے۔ اُسے مسلسل فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ اس وقت اِس کا مرکز انگلینڈ ہے، وہاں سے قادیانیوں کے خلیفہ کے خطبے سیٹلائٹ کے ذریعے پوری دنیا میں نشر ہو رہے ہیں۔

پوری مغربی دنیا قادیانیت کی پشت پر ہے۔ مغرب کی جانب سے اِس کی پشت پناہی کا اصل سبب قادیانیوں کی طرف سے جہاد کی مخالفت ہے۔ غلام احمد قادیانی نے جہاد وقتال کی نفی کی تھی۔ اس نے فتویٰ دیا تھا کہ ع دیں کے لئے حرام ہے اب دوستو قتال۔ چنانچہ انگریزوں نے اُسے اپنا چہیتا بنا لیا تھا۔ کیونکہ انگریز جہاد سے سخت خوفزدہ تھے اور اُسے اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھتے تھے، جیسے کہ آج مغرب جہاد سے کانپ رہا ہے۔ دراصل انگریزوں نے ہندوستان پر قبضے کے بعد محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں نے ہمیں دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اُن کے اندر بغاوت کے جراثیم موجود ہیں۔ کیونکہ ہندوؤں کے برعکس مسلمانوں سے انگریز نے حکومت اور اقتدار چھینا تھا۔ مسلمان حاکم سے محکوم بنا دیئے گئے تھے، لہٰذا اُن میں انگریز سے انتقام اور اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کا جذبہ موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی تحریک چلی۔ اگرچہ مشیت ایزدی کے تحت اجتہادی غلطی کی بنا پر یہ تحریک دنیاوی اعتبار سے ناکام

ہوگئی اور سید احمد بالاکوٹ میں شہید ہوگئے، مگر انہوں نے مسلمانوں میں جہاد کا ایک صور پھونک دیا تھا۔ چنانچہ اُن کے بعد بھی اس علاقے میں طویل عرصے تک انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رہا۔ اور اِس کی پاداش میں کتنے ہی علماء پھانسی چڑھا دیئے گئے۔ اور بہت سوں کو کالا پانی بھیج دیا گیا۔ علمائے دین نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا تھا، اور دارالحرب کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اُسے دارالسلام بنانے کی جدوجہد کریں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ریشمی رومال کی تحریک چلی، جو ایک خفیہ تحریک تھی۔ مگر راز کھل جانے کے سبب ناکام ہوگئی، اور انگریز نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کو بحیرۂ روم کے جزیرہ مالٹا بھیج دیا۔ ؎

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

بہرحال انگریز تحریک جہاد سے خوفزدہ تھا، اِس لئے اُس نے جہاد کے خاتمے کے لئے قادیانیت کو خوب سپورٹ کیا تھا اور آج بھی عالم مغرب میں اِس فتنہ کو پذیرائی مل رہی ہے۔

دوسرا فتنہ انکار واستخفاف سنت کا ہے۔ یہ فتنہ اِس اعتبار سے قادیانیت کے فتنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کہ یہ زور شور سے پھیل رہا ہے، مگر اِس کی سنگینی کا ہمیں ادراک اور احساس نہیں ہے۔ ختم نبوت کا معاملہ تو بالکل واضح ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اور اسی طرح وہ شخص بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا جو نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی شخص کو نبی مانے۔ ہمارے ہاں سرکاری سطح پر ہماری پارلیمنٹ بھی طے کر چکی ہے کہ قادیانی خواہ وہ ربوائی ہیں، یعنی اصل قادیانی یا لاہوری احمدی ہیں، دونوں دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ فتنہ قادیانیت کے برعکس انکارِ حدیث کے فتنے سے مسلمان غافل ہیں، حالانکہ یہ فتنہ روز افزوں ہے اور دیمک کی طرح لوگوں کے ایمان کو چاٹ رہا ہے۔

منکرین سنت کا کہنا ہے کہ ہم قرآن کو مانیں گے، اور اس کو سمجھیں گے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو اس میں جو اخلاقی تعلیمات ہیں، انہیں ہم سینے سے لگائیں گے، مگر نبی اکرم ﷺ کو مطاع نہیں مانتے۔ آپؐ ہمارے لئے مطاع نہیں ہیں (نعوذ باللہ)، آپ کی یہ حیثیت اپنے زمانے کے لئے تھی (منکرین حدیث کہتے ہیں کہ) نبی اکرم ﷺ امیر جماعت کی حیثیت سے اپنے دور کے لئے مرکزِ ملت اور مطاع تھے، مگر آج کے دور کے لئے نہیں۔ اب مرکزِ ملت مسلمانوں کا امیر ہوگا اور وہی مطاع ہوگا۔ یہ فکر سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کی رسالت تمام انسانیت کے لئے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ لہٰذا آپؐ ہر دور کے لئے مطاع ہیں۔ آپؐ کی اطاعت ہی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ سورۃ النور میں فرمایا:

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (النور)

”کہہ دو کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو، اور رسول (اللہ) کے حکم پر چلو۔ اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو اُن کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمہارے ذمے ہے اور اگر تم اُن کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا رستہ پالو گے، اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکامِ الٰہی کا) پہنچا دینا ہے۔“

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾

(تغابن)

”اور اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رُسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔“

منکرین حدیث کا پھیلایا ہوا فتنہ آج بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے، اِس لئے کہ جب انہوں نے حدیث رسول ﷺ کی حجیت کا انکار کر دیا، تو گویا شریعت کے بہت سے احکام اور پابندیاں اٹھالیں۔ مثال کے طور پر پردہ کے متعلق کہہ دیا کہ اُس دور کے لئے تھا، آج کے لئے نہیں ہے۔ اور ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو یہی چاہتا ہے کہ اسلامی تعلیمات سے آزاد بھی ہو جائے اور اُس کی ”مسلمانی“ میں بھی کوئی فرق نہ آئے۔ منکرین سنت قرآنی آیات کے تراجم میں معنوی تحریفات کر رہے ہیں، سنت سے آزاد ہو کر قرآنی احکام کی ایسی ایسی تاویلات کی جا (باقی صفحہ 18 پر)

پریس ریلیز 3 / جولائی 2007ء

لال مسجد انتظامیہ کے خلاف حکومتی آپریشن انتہائی تکلیف دہ اور خطرناک صورتِ حال کا غماز ہے

موجودہ صورت حال سے اسلام اور ملک دشمن عناصر فائدہ اٹھا سکتے ہیں' جو کسی صورت میں بہتر نہیں ہے

لال مسجد انتظامیہ تشدد کا راستہ چھوڑ کر منظم عوامی تحریک کی راہ اختیار کرے

ڈاکٹر اسرار احمد

لال مسجد انتظامیہ کے خلاف حکومتی آپریشن انتہائی تکلیف دہ اور خطرناک صورتِ حال کا غماز ہے۔ حکومت نے اگر آپریشن کرنا تھا تو پیشگی الٹی میٹم دیا جاتا مگر نہ تو کوئی پیشگی نوٹس دیا گیا اور نہ ہی لال مسجد انتظامیہ کے مطالبات کو قابل غور سمجھا گیا۔ ان خیالات کا اظہار بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکمران جماعت کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین نے بھی چند روز قبل کہا تھا کہ صورتِ حال کی خرابی کی ذمہ دار انتظامیہ ہے' کیونکہ متعدد مواقع پر ہونے والے مذاکرات میں حکومتی اہلکاروں نے متعدد وعدے کیے مگر کسی وعدے کو پورا نہیں کیا گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ صورت حال سے اسلام اور ملک دشمن عناصر فائدہ اٹھا سکتے ہیں' جو کسی صورت میں بہتر نہیں ہے۔ انہوں نے لال مسجد انتظامیہ سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ تشدد کا راستہ چھوڑ کر منظم عوامی تحریک کی راہ اختیار کریں۔ موجودہ طریق کار اسلامی قوتوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

علامہ اقبال' قائداعظم اور نظریۂ پاکستان
اور
اس نظریے سے انحراف کے نتائج

ڈاکٹر اسرار احمد

کا انتہائی فکر انگیز خطاب

اشاعت عام: 20 روپے ' اشاعت خاص: 40 روپے

شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں

محمد سمیع

وزیراعلیٰ محترم ڈاکٹر ارباب غلام رحیم کی جانب سے کراچی میں طوفان بادو باراں میں ہونے والے جانی نقصان پر جو بیان اخبارات کو جاری کیا ہے اسے پڑھتے ہی ذہن میں بے ساختہ یہ شعر آیا کہ۔

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

اخبار میں جو بیان شائع ہوا ہے اس کا متن حسب ذیل ہے:۔

''وزیراعلیٰ سندھ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم نے حالیہ طوفانی بارشوں سے ہونے والے جانی نقصان پر گہرے رنج اور دکھ کا اظہار کیا ہے۔سی ایم ہاؤس سے جاری شدہ ایک پریس بیان میں وزیراعلیٰ سندھ نے سائن بورڈ کے بڑی تعداد میں گرنے کو اللہ کا عذاب قرار دیا ہے اور کہا کہ کراچی میں ہر کمپنی نے اپنی پروڈکشن کے اشتہار میں عورتوں کی برہنہ تصاویر کو لگانا، اپنی مصنوعات کی مشہوری کے لئے ضروری سمجھ لیا ہے جو کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں ایک غیر شرعی اور غیر اسلامی فعل ہے۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ طوفان کو خدا کی طرف سے اس غیر اخلاق اور غیر شرعی فعل پر اللہ کی تنبیہہ سمجھتا ہوں۔''

اوپر جو ہم نے شعر نقل کیا ہے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ ہم وزیراعلیٰ کو رند بادہ خوار سمجھتے ہیں۔وزیراعلیٰ سندھ کی مذہبی سرگرمیوں سے کون واقف نہیں۔انہوں نے تبلیغی جماعت سے اپنی وابستگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا طارق جمیل کو یہ موقع عنایت فرمایا کہ وہ حکومت کے مختلف شعبوں میں درس قرآن کے ذریعہ لوگوں کو اپنی دینی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمائیں اور انھیں ان پر عمل کی ترغیب و تشویق دیں۔الحمدللہ، مولانا طارق جمیل نے بھی اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ان دروس میں دوٹوک انداز میں دینی تعلیمات کو اجاگر فرمایا۔ہم تو اس بیان پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ جس حکومت سے وزیراعلیٰ سندھ تعلق رکھتے ہیں اس کے سربراہ کو تو خواب میں بھی انتہا پسند ہی نظر آتے ہیں، جبھی وہ قوم کو انتہا پسندوں کے ذریعہ ملک کو لاحق خطرات سے آگاہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے، اُس حکومت میں ہوتے ہوئے انہوں نے یہ بیان دیا ہے۔بلاشبہ ان کا یہ بیان ان کی اخلاقی جرأت کو ظاہر کرتا ہے۔یقیناً مولانا طارق جمیل کے دروس کے دوران حکمرانوں کے فرائض بھی ان کے سامنے آئے ہوں گے، جن پر اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی عائد ہوتا ہے۔ان کا یہ بیان کہ کراچی میں ہر کمپنی نے اپنی پروڈکشن کے اشتہار میں عورتوں کی برہنہ تصاویر کو لگانا اپنی مصنوعات کے لئے ضروری سمجھ لیا ہے جو کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں ایک غیر شرعی اور غیر اخلاقی فعل ہے، نہی عن المنکر باللسان کے ذیل میں آتا ہے۔لیکن حضور ﷺ نے نہی عن المنکر کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔ان میں سے سرفہرست نہی عن المنکر بالید کو

> **وزیراعلیٰ سندھ کا یہ بیان اُن کی اخلاقی جرأت کا مظہر ہے کہ کمپنیوں کے اشتہارات میں عورتوں کی برہنہ تصاویر غیر شرعی فعل ہے، اور موجودہ طوفان اس غیر شرعی فعل پر خدا کی تنبیہہ ہے**

قرار دیا ہے۔الحمدللہ، محترم ڈاکٹر ارباب غلام رحیم کو اقتدار کی قوت کم از کم صوبہ سندھ تک تو حاصل ہے اور کراچی صوبہ سندھ کا دارالحکومت ہی نہیں، ملک کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ بھی رکھتا ہے۔وہ ایک قدم آگے بڑھیں اور اپنے اقتدار کی قوت کو استعمال کرتے ہوئے عریانی و فحاشی کے ہر ذریعہ پر کم از کم صوبہ سندھ کی حد تک بھرپور پابندی لگائیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچ سکیں۔

ویسے وزیراعلیٰ سے بصد ادب یہ سوال ہے کہ حضور جس اسلامی معاشرے کی آپ بات کر رہے ہیں وہ ہے کہاں؟ اسلامی معاشرہ تو وہ ہوتا ہے جو ایک اسلامی ریاست کے زیر انتظام ہوتا ہے اور جس میں احکام شریعت نافذ ہوتے ہیں۔بدقسمتی سے وطن عزیز آج ایک ایسے حکمران کے زیر اثر ہے جو آئے روز اسلامی شعائر کا کھلے عام مذاق اڑاتا ہے۔جس نے عورتوں کو گھروں سے باہر نکالنے کی حوصلہ افزائی کے لئے اسمبلیوں اور شہری حکومتوں میں ان کے لئے 33 فیصد کوٹہ مقرر کر دیا ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اگر کسی نشست پر کوئی خاتون دستیاب نہ ہو تو وہ اس وقت تک خالی رہے گی جب تک کوئی خاتون سامنے نہ آ جائے۔ایسا مغربی ممالک میں بھی نہیں ہوتا۔روشن خیالی کی اس حد کو ابھی مغربی ممالک نے بھی پار نہیں کیا۔

محترم وزیراعلیٰ صاحب! فریضہ نہی عن المنکر کی ادائیگی کے لئے لازم ہے کہ معاشرے میں موجود ہر برائی کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور جنھیں طاقت میسر ہے وہ اپنی طاقت کے زور پر برائیوں کو ختم کریں اور یہ اُسی صورت ممکن ہے جب وطن عزیز میں اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم ہو۔یہی مملکت خداداد پاکستان کے قیام کا مقصد تھا، اور اس مقصد کے حصول کی جدوجہد ہر پاکستانی کا فرض ہے، خواہ اللہ تعالیٰ نے اسے خوش قسمتی سے اقتدار کی قوت عطا کر رکھی ہو یا اس پر ایک غیر اسلامی حکومت مسلط کر دی گئی ہو۔ورنہ جناب وزیراعلیٰ قرآن کی اس آیت سے تو یقیناً واقف ہوں گے جس میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ''کیا تم کتاب (اللہ) کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو اور جو کوئی تم سے ایسا کرے اس کی سزا اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔'' (القرآن)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

❁ از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
❁ ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
❁ نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I،II،III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 5869501-3

❁ ❁ ❁

آخری مورچہ

محبوب الحق عاجز

سر کا خطاب اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے، جو کسی شعبۂ زندگی میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کریں۔ لعنتی سلمان رشدی کو اگر یہ خطاب دیا گیا ہے، تو اُن کی غیر معمولی خدمات اور کارگردگی کیا ہے؟ کیا یہ کہ اُس بد بخت نے شیطانی آیات کے نام سے کتاب لکھ کر اسلام کی توہین کی ہے، شاتم رسول ﷺ نے اُس عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہستی کی پاکیزہ زندگی پر رکیک حملے کئے ہیں، جو فخر کائنات، محسن انسانیت اور باعث تخلیق کائنات ہے۔ اگر اِس کا جواب ہاں میں ہے، اور یقیناً ہاں میں ہے، تو فری میسن کے صلیبی ایجنٹوں کے خلاف عالم اسلام میں غیض وغضب کیوں نہ بھڑکے، ایمانی لحاظ سے ادنیٰ سے ادنیٰ اور کمزور سے کمزور ترین ایمان کے حامل مسلمان کے دل میں بھی نفرت کے شعلے کیوں نہ اُٹھیں۔ وہ ہستی کہ جس سے تمام دنیا سے زیادہ محبت کے بغیر ایمان ہی کی تکمیل نہ ہو، جیسا کہ آپؐ نے خود فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' اُس کی حرمت پر کٹ مرنا ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے کس خوبصورت پیرائے میں اِس ایمانی حقیقت کو آشکار کیا ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

آزادی اظہار رائے کے بے راہ چیمپئن ہمیں ''انتہا پسند'' کہتے ہیں، حالانکہ ہم کبھی بھی دوسرے کے عقائد اور مذہبی شخصیات کی توہین نہیں کرتے۔ ہمیں تو یہ حکم ہے کہ مٹی کے بتوں اور پتھر کی مورتیوں کو بھی بُرا بھلا نہ کہو، مبادا مشرک اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے عہد عروج، سلطنت عثمانیہ کی تاریخ اور برصغیر میں مغلوں کے دور اقتدار میں اقلیتوں سے برتی گئی رواداری اور اُن کو عطا کی گئی مذہبی آزادی کی ایک دنیا گواہ ہے۔ خود یہودیوں اور عیسائیوں کے منصف مزاج مصنفین اِس کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔ دوسری جانب رواداری اور برداشت کے علمبردار بش اور بلیئر کی ٹولہ کی بدتمیزی، جنونیت اور انتہا پسندی کا یہ حال ہے کہ وہ ہمارے محترم و مکرم رسول ﷺ کے گستاخوں کو پناہ دیتا ہے، اعزازات سے نوازتا ہے، خطابات دیتا ہے، اُن کی سیکیورٹی پر لاکھوں ڈالر خرچ کرتا ہے۔ سلمان رشدی سے تسلیمہ نسرین تک ایک ہی کہانی ہے، جو بار بار دوہرائی جا رہی ہے۔

اظہار رائے کی آزادی کے گمراہ داعیو! یہ کیسی منافقت ہے کہ تم کبھی توہین آمیز کارٹون شائع کرتے ہو، کبھی گمراہ کن کتابیں چھاپتے ہو، کبھی تمہارے پوپ اپنے منہ سے توہین آمیز کلمات کہتے ہیں، کبھی تم اُس شخص کو اعزاز دیتے ہو، جس نے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے ایمان پر ضرب لگائی ہے، لیکن تمہارے یورپ میں ایک تاریخی حقیقت کو بیان کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ یہودیوں کے ہولوکاسٹ کے باطل تصور اور جھوٹے افسانے پر لب کشائی کی اجازت نہیں ہے۔ برطانیہ کی ملکہ ''معظمہ'' کے خلاف کوئی شخص ایک لفظ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ یہودی ربی کے خلاف کسی کو کوئی لفظ کہنے کا حق نہیں۔ اگر تمہاری آزادئ اظہار کا یہی مطلب ہے کہ قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ کی ہستی کے خلاف زہر اگلا جائے، تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے اظہار رائے کا نام نہیں دے سکتی، اور نہ ہی کوئی مسلمان ایسے کسی گستاخ کو برداشت کرسکتا ہے۔ ایسے گھناؤنے کردار اور جنونی مجرم کی سزا موت اور صرف موت ہے۔

جیسا کہ عہد رسالت مآب میں کعب بن اشرف یہودی کو نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی پر قتل کیا گیا۔

مذہبی آزادی کے جعلی علمبردارو! تم ایک طرف بین المذاہب مکالمے کی بات کرتے ہو، مذہبی رواداری کے خوشنما نعرے لگاتے ہو، دوسری جانب تمہاری تنگ نظری اور تعصب کا یہ عالم ہے کہ تمہارے پال ولیمز اور رابرٹ اسپنسر مسلمانوں کو روشن خیال تسلیم کرنے کے لئے قرآن کو جھٹلانے کی شرطیں عائد کرتے ہیں۔ تم دوسروں کو برداشت کا درس دیتے ہو، دوسروں کے احترام کی تلقین کرتے ہو، مگر ہمارے پیغمبر کی شان میں سب وشتم بکنے والوں کو خطابات دیتے ہو۔ کیا یہی برداشت ہے؟ کیا مذہبی رواداری اِسی کا نام ہے؟ کیا مذاہب کے درمیان مکالمہ یونہی فروغ پائے گا؟ مسلمان ممالک نے اِس اقدام کی مذمت تو کی ہے، مگر ہم مسلم حکمرانوں پر یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اُن کی ذمہ داری محض مذمت کر دینا ہی نہیں ہے، صلیبی انتہا پسندی کے خلاف آپ کو عملی قدم بھی اُٹھانا ہوگا۔ عالم اسلام کے حکمرانوں کا اکٹھ او آئی سی آخر کس مرض کی دوا ہے۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ اِس پلیٹ فارم سے برطانیہ کے گھناؤنے اقدام کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل طے کر کے مسلم ممالک اُس سے اپنے سفارتی تعلقات ختم کر دیں۔ اگر ضروری ہے، تو پھر دیر کس بات کی! اپنے اقتدار کی خاطر کب تک ایمان کا سودا کرتے رہوگے۔

مذہبی آزادی کے علمبردارو! تم ایک طرف بین المذاہب مکالمے کی بات کرتے ہو، مذہبی رواداری کے خوشنما نعرے لگاتے ہو، دوسری جانب تمہاری تنگ نظری اور تعصب کا یہ عالم ہے کہ تمہارے پال ولیمز اور رابرٹ اسپنسر مسلمانوں کو روشن خیال تسلیم کرنے کے لئے قرآن کو جھٹلانے کی شرطیں عائد کرتے ہیں۔ کیا مذہبی رواداری اِسی کا نام ہے؟ کیا مذاہب کے درمیان مکالمہ یونہی فروغ پائے گا؟

مملکت خداداد پاکستان میں بھی ہمارے حکمرانوں نے اِس پر احتجاج کیا ہے۔ ہمارے وزیر مذہبی امور نے ایمانی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا ہے کہ ملعون رشدی کے خلاف خودکش حملہ جائز ہے، (اگرچہ اگلے ہی دن سجدہ سہو بھی کرلیا)۔ پنجاب اسمبلی کے سپیکر نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر رشدی سامنے آ جائے تو اُسے قتل کر دوں۔ سندھ کے وزیر اعلیٰ نے احتجاج کے طور پر اپنے خاندان کو حکومت برطانیہ کی طرف سے دیئے گئے تمام اعزازات اور خطابات واپس کردیئے ہیں۔ یہ اقدامات ایمانی کیفیت کا مظہر ہیں۔ مگر ہمارے حکومتی رہنما اِس بات پر بھی توجہ دیں کہ وہ اُن قوتوں کے خلاف امریکہ کے اتحادی کیوں بنے ہوئے ہیں، جو دنیا میں نبی اکرم ﷺ کے نظام کے لئے کوشاں ہیں اور غلبہ دین کی عظیم جدوجہد میں مصروف ہیں۔ حقائق سے آنکھیں پھیر لی جائیں تو الگ بات ہے، ورنہ

اِس حقیقت سے وہ بے خبر نہیں ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ دہشت گردی کے نہیں، بلکہ اُس نظام زندگی کے خلاف ہے، جو رسول رحمتؐ نے انسانیت کو عطا فرمایا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف عیسائیت کی بالادستی، رواداری کے خلاف انتہا پسندی، اور انصاف کے خلاف جبر کی جنگ ہے۔ اِسی لئے تو صدر بش نے ایک موقع پر کہا تھا: ہم اسلامی فاشسٹوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، جن کے مقاصد اسلامی خلافت کا احیاء، مغربی تہذیب کو دھکانے کے لئے تیل کے چشموں پر قبضہ اور اسرائیل کا خاتمہ کرنا ہیں۔ خدارا! اس حقیقت کو تسلیم کر لیجئے یہ جنگ دہشت گردوں کے نہیں، محمد ﷺ کے غلاموں کے خلاف ہے، دہشت گردی کے نہیں اسلامی تہذیب کے خلاف ہے اور اسلامی تہذیب اور مسلمان کا آخری مورچہ رسول مکرم و معظم کی جلیل القدر ہستی پر اُس کا ایمان، اور آپؐ سے محبت ہے۔ صلیبی انتہا پسند یہ مورچہ بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اِس کے بدن سے نکال دو

خدارا! آنکھیں کھولئے، مفادات کی پٹی اتار کر حقائق کا سامنا کیجئے اور اُس جنگ کے لئے منصوبہ بندی کیجئے، جو چند سال قبل طویل المیعاد منصوبہ بندی کے ساتھ اسلام اور عالم اسلام کے خلاف شروع ہو چکی ہے، ورنہ صلیبی بھیڑیے ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے رہیں گے۔ سقوط بغداد، سقوط بیت المقدس، سقوط غرناطہ، سقوط دلی، سقوط ڈھاکہ اور سقوط کابل کی تاریخ دھرائی جاتی رہے گی، اور ہماری ذلت کا سفر کبھی ختم نہ ہو سکے گا۔ ؏

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

ضرورت اکاؤنٹ اسسٹنٹ

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی کے شعبہ مالیات میں ایک اکاؤنٹ اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔ اہلیت کی شرائط درج ذیل ہیں۔

تعلیم: بی کام (کمپیوٹر پر اکاؤنٹس کے کام کی اہلیت Finalization تک) عملی میدان میں تجربہ رکھنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔ خواہشمند حضرات اپنی درخواست مع فوٹو کاپی اسناد مرکزی دفتر کو ارسال کریں۔ رفقاء تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

ناظم بیت المال مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
67۔اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 6316638-6366638

دعوت فکر

روحانی کینسر

نسیم صدیقی

جب کینسر کا مرض کسی کو لاحق ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا اس سے منسلک رہنا سو فیصد موت کی نشانی ہے۔ ہاں اگر اس مرض کی تشخیص کے بعد اس کو مریض سے جدا کر دیا جائے تو مریض کو ایک وقت مقررہ تک زندگی عطا کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اس مرض کی تشخیص بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد جسم کے ان اعضاء کا ٹریس کرنا جو اس مرض میں مبتلا ہیں۔ بعض اوقات سرجری کے ذریعے کینسر کے جراثیم کو بقیہ جسم کے اعضاء سے الگ کر کے دوبارہ زندگی کی حالت میں لایا جا سکتا ہے۔

کینسر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد بھی انسان کو اپنی مقررہ زندگی گزارنے کے بعد موت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ قرآن مجید میں کم و بیش چار مرتبہ ایک ہی آیت نازل ہوئی ہے جس کا مطلب ہے "ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔ ذائقہ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ جو انسان دنیا میں حسنِ اعمال اختیار کرتا ہے اس کی موت کا ذائقہ خوشگوار ہوتا ہے' اس کے برعکس دوسرے اشخاص کی موت کا ذائقہ ناخوشگوار ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایک حدیث سے ملتی ہے کہ: "جب کسی انسان کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کی روح جسم سے اس طرح نکالی جاتی ہے جیسے ململ کے کپڑے کو خاردار جھاڑیوں پر ڈال کر کھینچا جائے"۔ کم سے کم یہ بدمزہ موت کا ذائقہ ہے' اور خوشگوار موت کے ذائقہ کی مثال ایسی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا ایک قطرہ ٹپک پڑے۔ رُوح کی بے شمار بیماریاں ہیں جن کی اکثریت کینسر کی شکل اختیار کر جاتی ہے' مثلاً جھوٹ' حسد' بخل' چغلی' غیبت' چوری' زنا' قتل ناحق' بہتان' شرک وغیرہ۔

اگر کسی روح پر ان بیماریوں کا غلبہ ہو جائے' یا یہ بیماریاں روح کو اپنے شکنجے میں اس طرح جکڑیں کہ اس روح کا چھٹکارا ناممکن ہو جائے تو اسے روحانی کینسر کہتے ہیں۔ انسان مراقبہ کے ذریعہ ان اور ان جیسی دیگر بیماریوں کا محاسبہ کر کے ان کا احاطہ کرے۔ جب ان تمام بیماریوں کی نشاندہی کر کے ان کو اپنے ذہن میں مستحضر کر لے تو تشخیص مکمل ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہم علاج کی طرف متوجہ ہوں گے۔

علاج میں سب سے پہلی چیز ہے توبہ۔ توبہ کے لیے زبان سے لفظ "توبہ" کی ادائیگی کے لیے صدق دلی کا ہونا ضروری ہے۔ صدق دل سے توبہ کرنے کے بعد ایک دفعہ ان بیماریوں کا ترک کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر ان گناہوں سے باز نہ رہیں تو سو بار بھی ان گناہوں سے الجھنے کے بعد توبہ کر لے۔ توبہ کے قبول ہونے کے بعد انسان گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے، جیسے وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ مادی بیماریوں کا ثبوت مل جاتا ہے، جبکہ روحانی بیماریوں کا ثبوت ملنا ناممکن ہے۔ اس کا اظہار ضمیر کی خلش سے ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ روحانی کینسر سے مراد مندرجہ بالا بیماریوں کا کسی روح کو جکڑ لینا ہے۔

ملی سلامت پارٹی کا اسلامی منشور

سید قاسم محمود

تیس سال تک ترکی سیاست، مذہب اور معاشیات (یا مذہب اور سیکولرازم) کے معجون مرکب کے گرد گھومتی رہی۔ سیکولر عناصر ترکی کو ہر قیمت پر مصطفیٰ کمال کی لائی ہوئی لادینیت بلکہ کفر والحاد کی طرف لوٹانے کی جدوجہد کرتے رہے، اور ڈیموکریٹ پارٹی کے رہنما علماء کی حمایت لے کر اس کے محدود تصور ہی پر قناعت کرتے رہے۔ چنانچہ 1966ء میں وزیراعظم سلیمان دیمرل نے، جس کی حکومت 1980ء کے فوجی انقلاب کے ذریعے منقطع ہوگئی تھی، اسی طرح کے مباحثے کا آغاز کیا تھا کہ اپنے آپ کو مسلمان قرار دینا یا خدا کا حوالہ دینا (ان شاء اللہ، ماشاء اللہ وغیرہ) ہمیشہ سے سیاسی مقاصد کے لیے اسلام کے استحصال کا ذریعہ بنتا رہا ہے، لیکن اس طرح کے اعلانات کو رجعت پسندی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ملی سلامت پارٹی کی اقتصادی پالیسی

''ملی سلامت پارٹی'' نے مذہب کے روایت پرستانہ تصور اور سیکولرازم دونوں رجحانات کے باوجود اسلامی تحریک کا آغاز کیا۔ اس نئی جماعت نے ترک قوم کی معاشی صورتِ حال کا جائزہ لیا اور اس نتیجے تک پہنچی کہ اس معاشی زبوں حالی کے ذمہ دار مغرب کے سرمایہ دارانہ عیسائی مفادات ہیں۔ مغربی اقوام اپنی مصلحتوں اور سیاسی و معاشی مفادات کے پیشِ نظر اس کی معیشت کو زوال پذیر رکھنا چاہتی ہیں، اور اس زوال سے نجات پانے کے لیے یورپی معاشی کمیونٹی (ای ای سی) کے سحر سے نکلنے کی جدوجہد کرنی چاہیے، کیونکہ یہ تنظیم مغربی مسیحی سرمایہ داری کی معاشی پالیسی کے گرد گھومتی ہے۔ ''ملی سلامت پارٹی'' کا موقف یہ تھا کہ ترکی صنعت و حرفت کی پالیسی اور مُہم خود کفیلی اور خود انحصاری کی حامل ہو، اور جاپان کی مثال کو سامنے رکھ کر صنعتی فروغ کی تحریک میں وہ مغرب کا مقابلہ کرے۔ مختلف صنعتی شعبوں میں استحکام و استقلال کے حصول کے اِس موقف نے عوامی مقبولیت حاصل کی اور ملک کے سنجیدہ اور مخلص طبقے پارٹی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اوسط درجے کے صنعت کار، تاجر اور معاشی ماہرین نے پروفیسر نجم الدین اربکان کی اس پالیسی کی حمایت وتائید کی جو انجینئرنگ کے پروفیسر ہونے کے علاوہ واٹر پمپ بنانے والی ایک چھوٹی فیکٹری (سن موٹر انڈسٹریز) کے مالک بھی تھے۔ سلامت پارٹی بنک کے سُود اور اس کے ذریعے تقسیم ہونے والے سُودی قرضوں کے بھی خلاف تھی۔ اس کا علانیہ موقف تھا کہ ملکی معیشت کو سُود سے پاک ہونا چاہیے۔

مغربیت کے خلاف اقدامات

ملی سلامت پارٹی نے ترکی کی ضرر رساں مغربیت کے خلاف سخت نوٹس لیا۔ رقص و سرور کے پروگراموں اور مغربی تھیٹروں کو ترکوں کی حقیقی تہذیب کا دشمن قرار دیا اور اس طرح کے تفریحی کلبوں اور ثقافتی بدعتوں کو ترکی تہذیب و تمدن کی مغرب کاری کا وسیلہ ٹھہرایا۔ ترک معاشرے کو پارٹی نے رُو بہ زوال قرار دیا، کیونکہ بڑوں کا ادب واحترام اِس معاشرے سے رُخصت ہو رہا ہے اور مرد و زن کی مخلوط محفلوں نے اسے منتشر کرکے رکھ دیا ہے۔

معاشرتی تبدیلیاں: اسلام پسندی کی طرف

''ملی سلامت پارٹی'' کی عوامی مقبولیت اور اُس کے روز افزوں اثرات کی ایک وجہ ماہرین عمرانیات نے بدلتے ہوئے سماجی حالات کو قرار دیا ہے۔ 1960ء تا 1980ء کے دوران ترکی کی اوسط فی کس سالانہ پیداوار 3.6 فیصد رہی ہے جس سے ترکی معاشی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ملک کی آبادی 1960ء میں 17 ملین تھی جو 1980ء میں بڑھ کر 46 ملین ہوگئی۔ 1935ء میں 17 فیصد آبادی شہروں میں رہائش پذیر تھی، مگر 1980ء میں شہری آبادی بڑھ کر 46 فیصد ہوگئی اور یہ تبدیلی دراصل اُن ترقیوں کی وجہ سے ممکن ہوئی جو 1960ء کے بعد عمل میں آئیں۔ چنانچہ آٹھویں دہائی میں ترکی کی صورتِ حال یہ تھی کہ یہ مشرق وسطیٰ میں واحد ملک تھا جس کے دو بڑے شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی کی شرح 5 فیصد سالانہ تھی۔ دیہات اور نواحی علاقوں سے شہروں اور قصبوں کی طرف یہ مہاجرت ملکی سیاست اور سماجی حالات میں بنیادی تبدیلی کا سبب بنی۔

پانچویں دہائی میں انقرہ میں اقامت اختیار کرنے والے دیہاتیوں اور کسانوں کا رویہ شہری اُصول وضوابط کے لیے انتہائی جارحانہ تھا۔ وہ شہر کے ٹریفک اصولوں اور شہری اقدار سے بے نیاز نظر آتے تھے، مگر رفتہ رفتہ اس رویے میں تبدیلی آئی اور وہ ''مہذب معاشرے'' کی اخلاقیات سے مانوس ہوتے گئے۔ اس بے نیازی کی دو وجوہ یہ بتائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ متعدد افراد یکا یک سیاست کی تبدیلی سے قومی شہرت کے حامل قرار پائے اور انہوں نے اس بے نیازی اور لاعلمی کو کسی قسم کا نقص محسوس نہ کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں یورپ کی تقلید پر ترکوں کی سخت تنقیدیں شروع ہوئیں اور مغرب کی نقالی پر نکتہ چینی ہوئی۔

ترکی میں شہروں کی طرف نواحی آبادی کی مہاجرت کے علاوہ روایت پسند خاندانوں کی تعلیم و تربیت بھی اسلام پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان میں مددگار ثابت ہوئی۔ محکمہ مذہبی امور کے منظور شدہ نصابات اور قرآنی دروس اور تعمیر مسجد کی انجمنوں نے بھی احیائے اسلام کی اِس نئی تحریک میں زبردست کردار ادا کیا ہے۔ اِن انجمنوں کی تعداد 1951ء میں 237 تھی، جبکہ 1967ء میں ان کی تعداد بڑھ کر 2510 ہوگئی اور انہوں نے چھوٹے شہروں اور قصبوں کی زندگی پر اچھا خاصا اثر ڈالا۔

اسباب وعلل خواہ کچھ بھی ہوں، آٹھویں دہائی تک پہنچتے پہنچتے اسلام ترکی معاشرے میں مستحکم ہوگیا اور قصبوں اور چھوٹے شہروں میں خاص طور پر اور بڑے شہروں میں عام طور پر ''ملی سلامت پارٹی'' اسلامی تحریک کی توانا اور طاقتور آواز بن گئی۔ اس کے سربراہ پروفیسر نجم الدین اربکان، جو خود ایک صوفی مزاج شخص ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اُن کی کوشش سے ترکی کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، اُن کے حوصلہ افزا پہلو

سلامت پارٹی بنک کے سُود اور اس کے ذریعے تقسیم ہونے والے سُودی قرضوں کے بھی خلاف تھی۔ اس کا علانیہ موقف تھا کہ ملکی معیشت کو سُود سے پاک ہونا چاہیے۔

ذیل کی مثالوں سے سمجھے جاسکتے ہیں:

1۔ قبرص کے مسئلے پر یونان اور ترکی کی جنگ میں پوری فضا پر اسلام پسندی کے جذبات کا رنگ غالب رہا۔ ایامِ جنگ میں اسلامی جہاد کا بڑا چرچا رہا اور تین باتیں کھل کر سامنے آگئیں۔ پہلی حقیقت یہ نمایاں ہوئی کہ اِس جنگ میں ترکوں کو جو فتح نصیب ہوئی، وہ اسلام کی بدولت ہوئی۔ دوسری بات یہ تسلیم کی گئی کہ مسلم عوام اور اسلام پسند حلقوں نے ہی قبرص کے ترکوں کو یونانیوں کے مظالم سے نجات دلائی ہے۔ 1925ء میں قبرص پر انگریزوں کی تولیت قائم ہوئی اور پچاس سال تک قبرصی ترک یونانی اور قبرصی عیسائیوں اور اُن کی دہشت پسندانہ تحریکوں مثلاً یونان کی تحریک اینوسس اور قبرص کی تحریک ایوکا کے ہاتھوں ظلم وستم سہتے رہے، مگر ترکی کا سیکولر نظام اور لادین عناصر طفل تسلیوں کے سوا کوئی اقدام نہ کر سکے۔ اب ''ملی سلامت پارٹی'' کی مجاہدانہ پیش رفت نے قبرصی ترکوں کی مذہبی اور اخلاقی زندگی پر بھی خوشگوار اثرات مرتب کیے۔ تیسری بات یہ اُبھر کر سامنے آئی کہ قبرص کے اندر برطانوی اور فرانسیسی افواج پر مشتمل جو جنگی اڈہ قائم تھا، وہ ختم کر دیا گیا۔

2۔ یونان اور ترکی کی اِس جنگ میں جب امریکا نے ترکی کو عسکری امداد دینے سے گریز کیا تو مخلوط حکومت میں شامل ہونے کی وجہ سے ''ملی سلامت پارٹی'' نے حکومت کو یہ اعلان کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر امریکا امداد نہیں دیتا تو اس کا ترکی میں میں واقع فوجی اڈہ ختم کر دیا جائے گا اور فی الحقیقت اِس اڈے کو بند کر دیا، یہاں تک کہ امریکا ترکی کی فوجی امداد بحال کرنے پر مجبور ہوا۔

3۔ مُسلم عوام کی جانب سے یہ دباؤ بڑھا کہ ترکی دستور کی اس دفعہ کو منسوخ کیا جائے جس میں سیکولرازم کو حکومت کا بنیادی چارٹر قرار دیا گیا ہے۔ خلافت اسلامیہ کی بحالی کا نعرہ بھی عام اور مقبول ہوا۔ مارچ 1976ء میں ترک نوجوانوں نے ''فتح استنبول'' کی یاد میں یومِ شوکتِ اسلام منایا۔ (استنبول کا قدیم نام قسطنطنیہ تھا۔ 1453ء میں سلطان محمد دوم نے بازنطینی حکومت کا خاتمہ کر کے اِس کا نام استنبول رکھا تھا)

4۔ ترک نوجوانوں نے فوزی چقماق پاشا کی برسی منائی۔ یہ ترک جرنیل مصطفیٰ کمال پاشا کا ساتھی تھا۔ ترک افواج کی تنظیم نو کا سہرا اُسی کے سر ہے۔ اتاترک کے ساتھ مل کر ترکی کو آزاد کروانے اور اس دور میں ترک قوم کے اندر روحِ جہاد پھونکنے میں اس کا بڑا دخل تھا۔ لوزان کانفرنس 1923ء کے بعد جب اتاترک نے اپنا راستہ بدل لیا اور قبلہ تبدیل کر لیا تو یہ اس سے الگ ہوگیا۔

5۔ 13 اپریل 1976ء کو استنبول میں مسلم وزرائے خارجہ کی کانفرنس منعقد ہوئی، جس کا سہرا اسلامی عناصر کے سر ہے۔ کمالی رہنما، کمیونسٹ اور ملحدین اِس کانفرنس کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ کانفرنس کے دنوں میں صدر جمہوریہ فہری کوروترک ملک سے باہر چلا گیا، کیونکہ اُس کے لیے مسلمان ممالک کے وزراء خارجہ کا اجتماع ناقابلِ برداشت تھا۔ کانفرنس کو وزیراعظم سلیمان دیمرل اور نجم الدین اربکان نے ہر لحاظ سے کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر اسلام پسند نوجوانوں نے مظاہروں کے ذریعے اور مسجدوں میں زیادہ حاضری دے کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ سلطان احمد کی مسجد میں جب وزراء نماز جمعہ ادا کرنے گئے تو دس ہزار نوجوان مسجد کے اندر موجود تھے اور وہ جامع ایا صوفیہ کی واگزاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

6۔ دینی مدارس کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ وزارتِ مذہبی امور نے گرمیوں کی تعطیلات میں تمام مساجد میں قرآنی درس وتدریس کی جماعتیں جاری کرنے کا حکم صادر کیا۔ فوج کے ہیڈکوارٹر کی طرف سے تمام ملٹری کالجوں اور عسکری تربیتی اداروں کے نام حکم نامہ جاری ہُوا کہ ان میں اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ اسلام سپاہی کا حوصلہ بلند رکھتا ہے۔

اِنہی اقدامات اور اسلامی رجحانات کے بڑھتے ہوئے اثرات اور مُسلم عوام کے ابھرتے ہوئے احیائی جذبات کو دیکھ کر سیکولر طبقے ہراساں ہوگئے، جس کی وجہ سے فوج نے 12 ستمبر 1980ء کو انقلاب برپا کر دیا۔ پارلیمنٹ کو کالعدم قرار دے دیا اور تمام سیاسی جماعتیں خلافِ قانون قرار دے دی گئیں، جن میں ''ملی سلامت پارٹی'' بھی شامل تھی۔

ملی سلامت پارٹی کا اسلامی منشور

''ملی سلامت پارٹی'' کے پہلے سیکرٹری جنرل اور قائد دراصل سلیمان عارف عامر تھے جو ''ملی نظام پارٹی'' کے بھی سیکرٹری جنرل رہ چکے تھے۔ ابتداء میں پروفیسر نجم الدین اربکان پس پردہ رہ کر کام کرتے تھے، کیونکہ نوتشکیل شدہ پارٹی کو سیکولر اور مغرب نواز حلقوں کی نظرِ بد سے محفوظ رکھنا بھی ضروری تھا، اسی لیے آغازِ کار میں وہ ملی سلامت پارٹی کو ملی نظام پارٹی کا تسلسل قرار دینے میں کافی محتاط تھے۔

''قومی سلامت پارٹی'' کا سرکاری ترجمان ''ملی گزٹ'' 12 جنوری 1973ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ حسن اکسائی جو پہلے ''ملی پارٹی'' سے وابستہ تھے اور اب نوتشکیل شدہ پارٹی کے بھی اہم رُکن بن چکے تھے، اِس اخبار کے مالک اور مدیر تھے۔ پارٹی کے منشور کا مونوگرام ''ملی گزٹ'' کے ٹائٹل پر نمایاں حیثیت میں لکھا ہُوا تھا:

''جب مذہبی نظامِ عدل قائم ہو جائے گا تو کفر کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

پروفیسر نجم الدین اربکان اور دوسرے رہنما اِس اخبار کے مستقل مضمون نگار اور کالم نویس تھے۔ مختلف جلسوں میں پروفیسر اربکان نے اخبار کو ''ملی شعور و بیداری'' کا حامی قرار دیا جو دراصل پارٹی کا شعار تھا۔ 21 جنوری 1973ء کو پارٹی کا اجلاسِ عام ہُوا اور سلیمان عارف عامر دوبارہ صدر منتخب ہو گئے اور 16 مئی 1973ء کو پروفیسر اربکان اور دوار اکین پارلیمنٹ نے عام انتخابات سے پانچ ماہ قبل ''ملی سلامت پارٹی'' میں باقاعدہ شمولیت اختیار کر لی اور پارٹی کی انتخابی مُہم میں لگ گئے۔

ضرورت رشتہ

☆ سمن آباد، لاہور کی رہائشی، مغل برادری سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی، عمر 25 سال، تعلیم ایل ایل بی کے لیے نیک، تعلیم یافتہ اور دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ لڑکی کے والد جناب نور محمد مصطفیٰ (ایڈووکیٹ) سے ان نمبروں پر رابطہ کیجیے:

7593145, 0333-4543076

☆ اسلام آباد کی رہائشی صحیح العقیدہ خاندان کی بیٹی، عمر 30 سال تعلیم ایم فل گریڈ 18 میں سائنٹیفک ڈائریکٹر کی پوسٹ پر تعینات کے لئے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ 0332-5187783

☆ ڈاکٹر بیٹی، 27 سال، صوم وصلوٰۃ اور پردے کی پابند جو اس وقت لاہور کے معروف ہسپتال میں کام کر رہی ہے کے لئے دینی مزاج کا حامل ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔ ترجیحاً (لاہور کے رہائشی) ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر

برائے رابطہ، حافظ عبدالعزیز 0300-4477122

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ جڑانوالہ کے مبتدی رفیق حافظ ساجد حسین کے والد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی جناب محمد فہیم کے پھوپھی زاد بھائی انجینئر شفیق احمد بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔

☆ لندن میں مقیم رفیق تنظیم، مظہر الحق مظہر کی اہلیہ کا گزشتہ دنوں انتقال ہوگیا۔

رفقاء واحباب سے مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے صحت کی اپیل

☆ لندن میں مقیم رفیق تنظیم، مظہر الحق مظہر علیل ہیں۔ ان کی صحت یابی کے لیے رفقاء واحباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

خاتونِ خانہ

شیریں حیدر

کچھ عرصہ قبل تک اگر آپ خواتین کے کسی گروپ میں بیٹھ کر باتیں سنتے تو ان کے عمومی موضوعات گھریلو سیاست پر مشتمل ہوتے تھے۔ پھر وقت آگے بڑھا تو موضوعات میں تبدیلی آ گئی اور فیشن، ملبوسات، زیورات کا ذکر ہونے لگا۔ اونچی سوسائٹی کی محافل میں بیرون ملک کی تفریحات، برانڈڈ مصنوعات اور بڑی بڑی سماجی تقریبات پر گفتگو کی جاتی۔ آج کل میں دیکھتی ہوں کہ عموماً خواتین آپس میں بھی بیٹھتی ہیں تو پرانے تمام موضوعات کے علاوہ جو اہم موضوع زیر بحث ہوتا ہے وہ خواتین کی اپنی اپنی ملازمتیں ہوتی ہیں۔ مجھ سے بھی اور مجھ جیسی دوسری خواتین سے تعارفی سوالوں میں یہ سوال شامل ہوتا ہے کہ آپ کیا کرتی ہیں۔ اس سے مراد یقیناً ملازمت ہی ہے، لیکن جب جواب میں یہ کہوں کہ میں ایک خانہ دار خاتون ہوں تو سمجھا جاتا ہے کہ میں کچھ نہیں کرتی۔ مزید سوالات ہوتے ہیں تو پھر یہ فقرہ سننا پڑتا ہے "حیرت ہے کہ پڑھ کر اور پھر اتنا کچھ سیکھ کر بھی آپ کچھ نہیں کرتیں؟" اور مجھے اس وقت بڑا تاسف ہوتا ہے، ہمارے ہاں کی عورت کے اس المیہ پر۔

ہمارا معاشرہ تو یوں بھی مرد کی اجارہ داری کا معاشرہ ہے۔ اس معاشرے کے مرد کی ایک حقیقی سوچ کو لطیفے کے طور پر کچھ یوں سنایا جاتا ہے۔

کسی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ بھی تعلیم یافتہ ہیں اور آپ کی بیگم صاحبہ بھی، گھریلو کاموں کو آپ نے کس طرح بانٹ رکھا ہے۔ فرمانے لگے: "چھوٹے چھوٹے کام جو بیگم کی عقل کے مطابق ہیں وہ بیگم کرتی ہیں۔ تمام مشکل اور اہم امور میرے ذمہ ہیں۔" پوچھنے والے کو بہت اچھا لگا اور پھر اس نے ذمہ داریوں اور امور کی "منصفانہ" تقسیم کی تفصیل پوچھی تو فرمانے لگے "بیگم چھوٹے چھوٹے مسائل کی فکر اور حل پر مامور ہیں، مثلاً گھر کا خرچ کیسے چلانا ہے؟ خاندان میں لین دین کیسے کرنا ہے؟ میری والدہ کی بیماری بچوں کے تعلیمی مسائل ہیں۔ گھر میں پکنا کیا ہے؟ عید اور شب برات پر میری بہنوں کے ہاں کیا لین دین کرنا ہے؟ گھر کے ملازمین کا انتخاب، تنخواہیں اور ان سے مربوط مسائل کیسے حل ہوں؟ گھر میں پردے، فرنیچر، برتن کیسے ہوں اور کہاں سے آئیں؟ غرض اس طرح کے چھوٹے موٹے اور عام مسائل۔"

"تو آپ کن اہم مسائل کے حل اور تفکر میں مصروف ہوتے ہیں؟" پوچھنے والے نے شدید حیرت کے عالم میں استفسار کیا، بھلا اور کون سے مسائل باقی رہ گئے ہیں۔ "دیکھئے میری فکریں بہت بڑی بڑی ہیں مثلاً امریکہ کا آئندہ صدر کون ہوگا؟ یورپ میں سنگل کرنسی سے کیا کیا فوائد اور نقصانات ہیں؟ امریکہ کے مقابلے میں سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد اب کون سا ملک دوسری بڑی طاقت کے طور پر سامنے آئے گا؟ عراق کی جنگ کے اثرات اس کی کتنی نسلوں تک باقی رہیں گے؟ ملک میں آئندہ انتخابات میں کون کون سی سیاسی جماعتیں اتحاد کر سکتی ہیں۔"

قارئین! یہ لطیفہ نہیں یہ ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی سچائی اور سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اصل میں

عورت اپنے ہر روپ کو کامیابی سے برتتی ہے، کبھی کوئی نقاب پہن کر، کبھی کوئی ماسک لگا کر، اندر کے دکھ، غم اور تکلیفیں چھپا کر سب کے سامنے مسکراتی ہے۔ اپنی شخصیت کی گہرائی میں سمندر کی پُرسکون سطح کا سا انداز لئے، جس کے نیچے کئی تلاطم ہوتے ہیں

ہمارے ہاں مرد ہمہ وقت دنیا بھر کی فکروں میں پریشان رہتے ہیں اور اگر نہیں ہوتا تو انہیں اپنے گھر کے مسائل کا ہی علم نہیں ہوتا۔ اپنے دماغ پر وہ بڑی بڑی پریشانیوں کے بڑے بڑے بوجھ لاد کر ان تفکرات سے نجات پا جاتے ہیں، جو ایک عام خانہ دار عورت کو ذہنی ہی نہیں جسمانی طور پر بھی تھکائے رکھتے ہیں۔ وہ بیچاری دن بھر جمع تفریق کے عمل میں ذہنی طور پر مصروف رہتی ہے۔ جسمانی طور پر بھی تھک جاتی ہیں، پھر بھی الفاظ تحسین نہ اسے اپنے شوہر سے ملتے ہیں، نہ بچوں نے اور نہ باقی خاندان سے۔ ہمارے ہاں کی خانہ دار خاتون چالیس سال کی عمر میں ایسی دکھائی دیتی ہے جیسے ساٹھ کا سن ہو۔ چہرے پر تفکرات کے سائے، ماتھے پر شکنیں، نیند اور آرام کی کمی سے مضمحل بدن، پراگندہ خیالات کی آماجگاہ، ذہن اور بیماریوں کا شکار جسم۔ پھر بھی ہم ترانے گاتے ہیں۔

ہم مائیں، بہنیں، بیٹیاں
قوموں کی عزت ہم سے ہے

دن بھر کولہو کے بیل کی طرح چلتی ہوئی اذیت کی چکی کے پاٹوں کے درمیان پستی ہوئی، رشتوں کے گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پستی ہوئی اور چرخا چلا کے دھاگے بنا کر پھر کھڈیوں پر کپڑے بُننے والیوں کی طرح ہر مرد کو ساتھ ساتھ رکھنے کی کوشش میں مصروف یہ ہستی، جسے خاتونِ خانہ کہا جاتا ہے، اصل میں اسے خاتون تو کیا انسان بھی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی لئے جب کسی کا تعارف خاتون خانہ کی حیثیت سے کروایا جاتا ہے تو اس کی طرف حقارت سے گویا "ہونہہ" کہہ کر دیکھا جاتا ہے، جیسے گھر تو خود ہی چل جاتے ہیں، انہیں چلانے میں کوئی قوت سرگرم عمل نہیں ہوتی، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک گھر عورت کے بغیر نہیں چل سکتا اور عورت جسے ہم ایک گھریلو عورت سمجھتے ہیں وہ عورت کی افضل ترین قسم ہے، جو اپنے وجود کو قربانیوں کی بھٹی میں جھونک کر ہر ایک کی خوشیوں کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ ہر گھریلو عورت ایسی نہیں ہوتی کہ اس کے ہاتھ ہر وقت آٹے میں لتھڑے ہوئے ہوں، وجود میں مصالحوں کی خوشبو بسی ہو بلکہ عورت نے اپنی اس شناخت کو ایک بہترین عورت کے طور پر ہر دور اور ہر وقت میں منوایا ہے۔ غریب ہو یا تنگدست، امیر ہو یا کسی کروڑ پتی کی بیوی، اس کی اہمیت سے کسی کو چنداں انکار نہیں۔ خاتون خانہ جس کو ہم عموماً گھریلو عورت بھی کہتے ہیں، اگر پڑھی لکھی ہوگی تو وہ اس کی اضافی خوبی ہے لیکن یہ خوبی عام زندگی میں اس کی باقی خوبیوں پر حاوی نظر نہیں آتی۔ آج کی گھریلو عورت خوبیوں کا مرقع ہے۔ ذرا آپ بھی جانیں کہ وہ کون کون سے دنیاوی معاملات میں کس کس انداز سے کام کرتی ہے۔

بہن، بیوی اور ماں اس کے عمومی روپ ہیں۔ وقت گزرتا ہے تو وہ سمدھن بنتی ہے، ساس، نانی اور دادی بھی۔ اس سے قبل وہ پھوپھی بھی ہوتی ہے، خالہ، ممانی اور چچی بھی، نند بھی اور بھاوج بھی اور بہو بھی۔ ہر روپ کو کس کس انداز سے کامیابی سے برتتی ہے، کبھی کوئی نقاب پہن کر، کبھی کوئی ماسک لگا کر، اندر کے دکھ، غم اور تکلیفیں چھپا کر سب کے سامنے مسکراتی ہے۔ اپنی شخصیت کی گہرائی میں سمندر کی پُرسکون سطح کا سا انداز لئے، جس کے نیچے کئی تلاطم ہوتے ہیں، پنجابی کا ایک محاورہ ہے:

"وچ شریکاں ویسے، اندر روئیے باہر ہسیے"

ہمہ وقت بیچاری اداکاری میں مصروف رہتی ہے۔

بچوں کو لوریاں دے کر ساتھ تھوڑی آمیزش صداکاری کی بھی ہوجاتی ہے۔ زندگی میں کئی مقام ایسے بھی (باقی صفحہ 15 پر)

رشدی کی پذیرائی:
توہین رسالت قوانین پر بحث کا بہانہ

مولانا زاہد الراشدی

یہ بات حدود آرڈیننس کو سبوتاژ کرنے کی مہم کے ساتھ ہی سامنے آ گئی تھی کہ اس معاملے میں پیش رفت کے بعد تحفظ ناموسِ رسالت کے قانون اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی دستوری دفعات اور قانون کی باری ہے کیونکہ امریکی وزارت خارجہ نے گزشتہ سال ستمبر کے دوران واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ حکومت پاکستان پر جن قوانین کے خاتمہ کے لیے دباؤ بڑھا رہے ہیں ان میں حدود آرڈیننس کے ساتھ ساتھ تحفظ ناموس رسالت کا قانون اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی دستوری وقانونی دفعات بھی شامل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد پاکستان کی حکمران مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل سید مشاہد حسین کی طرف سے مغرب کے لیے ایک یقین دہانی سامنے آئی جو انہوں نے پیرس میں ایک اجتماع سے خطاب کے دوران پیش کی کہ توہین رسالت پر موت کی سزا کے قانون میں ترامیم کی تیاری جاری ہے اور حکومت ترمیمی مسودہ قومی اسمبلی میں پیش کرنے کے لیے تیار ہے، البتہ اس سلسلہ میں صرف اس قدر احتیاط سے کام لیا جا رہا ہے کہ اسے الیکشن کے بعد نئی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا تاکہ الیکشن مہم میں اپوزیشن کے ہاتھ میں حکومت کے خلاف کوئی نیا ایشو نہ آ جائے۔

ہم اس حوالے سے ان کالموں میں عرض کر چکے ہیں کہ جس طرح حدود آرڈیننس پر میڈیا میں ایک منظم بحث چھیڑ کر اسے متنازعہ بنایا گیا، حدود آرڈیننس کے خاتمہ یا اسے غیر موثر بنانے کے خواہش مند عناصر نے ''علم ودانش'' کے نام پر اس کے خلاف وہ طوفان بدتمیزی بپا کیا کہ شرعی حدود کے حوالے سے شکوک وشبہات کا پورے ملک میں بازار گرم ہو گیا جبکہ دوسری طرف حدود شرعیہ پر سنجیدہ اور علمی گفتگو کرنے والے حلقے اس بحث میں الجھے رہے کہ الیکٹرانک میڈیا پر آنا اور شرعی ضروریات کے لیے الیکٹرانک میڈیا کا استعمال جائز بھی ہے یا نہیں اور جب وہ بالآخر میڈیا پر آئے بھی تو اس وقت جب چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں اور حدود شرعیہ کے خلاف مغرب نواز دانشوروں کا شور وغوغا اپنا کام دکھا چکا تھا۔

بالکل اسی طرز کی ''میڈیا وار'' اب تحفظ ناموس رسالت کے قانون کے حوالے سے شروع ہونے والی ہے اور ہمارے خیال میں اس بحث کے آغاز کا بہانہ ملکہ برطانیہ نے سلمان رشدی کو نائٹ ہڈ (سر) کا خطاب دے کر فراہم کر دیا ہے۔ جہاں تک سلمان رشدی کا تعلق ہے ملکہ برطانیہ اور برطانوی حکومت سے یہ بات قطعی طور پر مخفی نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اس شخص سے شدید نفرت رکھتے ہیں اس لیے کہ اس نے اپنی بے ہودہ کتاب ''شیطانی آیات'' میں سرور دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں جو شرمناک گستاخیاں کی ہیں وہ دنیا کے کسی بھی مسلمان کے لیے قطعی طور پر ناقابل برداشت ہیں اور آج کے گئے گزرے دور میں بھی مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتا وہ اپنی جان کا نذرانہ بخوشی دے دے گا لیکن ایسی کسی بے ہودگی کو کسی صورت میں برداشت نہیں کرے گا۔

> **امریکا کے بین الاقوامی مذہبی آزادی کمیشن نے پاکستان میں توہین مذہب سے متعلق قانون کے بے جا استعمال پر افسوس کرتے ہوئے اسلام آباد سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ملک میں اسلامی انتہا پسندی کا مقابلہ کرنے کے لیے سنجیدگی سے اقدامات کرے**

سلمان رشدی کی تصنیف ''شیطانی آیات'' منظر عام پر آئی تو مسلمانانِ عالم اور خاص طور پر اسلامیانِ برطانیہ نے جس جوش وخروش کے ساتھ اپنے ایمانی جذبات اور حمیت و غیرت کا مظاہرہ کیا وہ برطانوی حکومت اور ملکہ برطانیہ سے مخفی نہیں ہے اور گزشتہ سال ڈنمارک اور ناروے وغیرہ کے اخبارات میں نبی اکرم ﷺ کے گستاخانہ کارٹون شائع ہونے پر عالمِ اسلام نے جس اجتماعی اور غیرت مندانہ ردعمل کا اظہار کیا۔ وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ اس کے بعد بھی اگر برطانوی حکومت یہ کہتی ہے کہ سلمان رشدی کو ''سر'' کا خطاب اس کی ادبی خدمات کے صلے میں دیا گیا ہے تو اسے مسلمانوں کے دینی جذبات پر طنز کی ایک نئی اور مکروہ صورت کے سوا اور کچھ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ سلمان رشدی کو سر کا خطاب ملنے کے بعد پاکستان کے قومی میڈیا میں اس سلسلے میں بحث کا آغاز ہو گیا ہے اور جہاں قومی اور صوبائی اسمبلیوں اور دینی وسیاسی جماعتوں نے اس کے خلاف شدید ردعمل ظاہر کیا ہے، وہاں ایک اہم سیاسی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے ذمہ دار رہنما شاہ محمود قریشی نے یہ کہہ کر ناموسِ رسالت کے حوالے سے مسلمانوں کے دینی جذبات اور ان کے عقیدہ ایمان کے خلاف مورچہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''یہ برطانیہ کا داخلی معاملہ ہے'' اگرچہ برطانوی وزیر خارجہ نے سلمان رشدی کو سر کا خطاب دینے کے فیصلے پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہونے پر ان سے معذرت کر کے پنجابی محاورہ کے مطابق ''گونگلوؤں توں مٹی جھاڑنے'' (شلجم سے مٹی جھاڑنے) کی کوشش کی ہے، لیکن اس سے جس بحث کا آغاز ہو گیا ہے وہ اب ہمارے خیال کے مطابق چلتی رہے گی اور اسی سے ''تحفظ ناموس رسالت کے قانون'' میں ان ترامیم کی راہ ہموار کی جائے گی جس کے لیے ایک عرصہ سے تیاری جاری ہے۔

اس کے ساتھ ایک اور خبر بھی شامل کر لیں جو روزنامہ نوائے وقت لاہور نے 18 جون 2007ء کو شائع کی ہے کہ امریکا کے بین الاقوامی مذہبی آزادی کمیشن نے پاکستان میں توہین مذہب سے متعلق قانون کے بے جا استعمال پر افسوس کرتے ہوئے اسلام آباد سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ملک میں اسلامی انتہا پسندی کا مقابلہ کرنے کے لیے سنجیدگی سے اقدامات کرے۔ کمیشن نے بش انتظامیہ سے بھی مطالبہ کیا ہے کہ وہ سنگین مذہبی تشویشناک امور کے بارے میں اسلام آباد کے ساتھ سرگرمی کے ساتھ رجوع کرے۔ کمیشن نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ توہین مذہب کو غیر مجرمانہ قرار دے۔

گویا امریکا کے بین الاقوامی مذہبی آزادی کمیشن کے نزدیک مذہب اور مذہبی شخصیات کی توہین سرے سے جرائم میں ہی شامل نہیں ہے اور اسے اس بات پر تکلیف ہے کہ جو بات ان کے نزدیک جرم ہی نہیں ہے پاکستان نے اس کے لیے دفعہ 295 کے تحت موت تک کی سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ حدود آرڈیننس کے بارے میں بھی امریکا اور مغرب کا موقف یہی تھا کہ ان قوانین کا بے جا استعمال ہو رہا ہے اور مغرب کا یہ موقف بھی ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ رضامندی کا زنا سرے سے جرم نہیں ہے چنانچہ اس پس منظر میں حدود قوانین کے غلط استعمال کے پروپیگنڈا سے بات شروع ہوئی اور اس سے نام نہاد ''تحفظ حقوق نسواں ایکٹ'' کی صورت میں جو نتائج حاصل کیے گئے ہیں، وہ سب کے سامنے ہیں اور اب یہی کھیل تحفظ ناموس رسالت کے قانون

کے ساتھ کھیلا جانے والا ہے۔ دوسری طرف ہماری صورتحال یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحفظ میں واضح ناکامی کے بعد بھی ہم اسی پرانی ڈگر پر قائم ہیں اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

ہمارے نزدیک حدود آرڈیننس کے حوالے سے دینی حلقوں کی پسپائی کے دو واضح اسباب ہیں ایک یہ کہ ہم نے ''میڈیا وار'' کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اس معرکہ میں صرف ''منبر ومحراب'' پر قناعت کر لی۔ ہم اس فرق کو محسوس نہیں کر سکے کہ منبر ومحراب کے ماحول میں کی جانے والی بات صرف ان لوگوں تک پہنچتی ہے جو خود وہاں تک چل کر آتے ہیں اور مجموعی آبادی میں ان کا تناسب معلوم کرنا مشکل نہیں ہے، جبکہ الیکٹرانک میڈیا کی رسائی کم وبیش ہر پاکستانی کے ''بیڈروم'' تک ہے۔ ہم نے یہ جنگ جو دراصل ''میڈیا وار'' تھی کلاشنکوف کے مقابلہ میں تلوار کے ساتھ لڑنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہی ہونا تھا جو ہمارے سامنے ہے۔

دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم اس جدوجہد کے لیے ''کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت'' کی طرز کا کوئی ایسا دینی محاذ قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جو اقتدار اور اپوزیشن کی سیاست سے الگ تھلگ رہتے ہوئے ایک دینی اور ملی مسئلہ کے طور پر قوم کے اجتماعی جذبات کی ترجمانی اور اس کی قیادت کر سکے۔ ہماری معلومات کے مطابق ایک الگ دینی محاذ کی تشکیل میں متحدہ مجلس عمل کے تحفظات آڑے آئے لیکن متحدہ مجلس عمل کی قیادت نہ خود اس مسئلہ کو صحیح طور پر ڈیل کر سکی اور نہ ہی اس نے اس کے لیے الگ دینی محاذ کے قیام کا راستہ دیا اور ایم ایم اے کے تحفظ کی دھند میں حدود آرڈیننس کا تیاپانچہ ہو گیا۔

ہمارے نزدیک ''لال مسجد'' کا قضیہ بھی اسی صورتحال کا ردعمل ہے۔ لال مسجد کے طریق کار سے ہمیں بھی اختلاف ہے اور ہم ان کالموں میں عرض کر چکے ہیں کہ جو کچھ لال مسجد کر رہی ہے، بروقت مشاورت کی صورت میں وہ سب کچھ اس سے کہیں بہتر صورت میں کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے لال مسجد کے طریق کار کو کھلے بندوں غیر دانشمندانہ اور دینی جدوجہد کے لیے نقصان دہ قرار دیا اور سمجھتے ہیں لیکن یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بھی دراصل اس طرز عمل کا نتیجہ اور ردعمل ہے کہ ہماری دینی سیاسی قیادت خالصتاً دینی معاملات میں نہ خود دینی حلقوں کے جذبات اور دینی جدوجہد کے تقاضوں کی صحیح طور نمائندگی اور ترجمانی کر پاتی ہے اور نہ ہی ان تقاضوں اور جذبات کے الگ طور پر اظہار کی کوئی الگ صورت اس کے لیے قابل قبول ہوتی ہے، جو ہماری ماضی کی روایات کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ حضرت مولانا مفتی محمود نے ہمیشہ ایسے دینی محاذوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی فرمائی ہے۔

ہمارے نزدیک سلمان رشدی کو ''سر'' کا خطاب دینے کی بات بھی بہت اہم ہے اور مسلمانوں کے دینی جذبات کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے لیکن امریکا کے مذہبی آزادی کمیشن کی طرف سے مذہب اور مذہبی شخصیات کی توہین کو جرائم کی فہرست سے نکال دینے کی ''وارننگ'' اس سے کہیں زیادہ سنگینی کی حامل ہے اور اگر اب بھی ہم اپنی حکمت عملی اور ترجیحات پر نظرثانی کے لیے تیار نہیں ہیں تو خاکم بدہن اس محاذ پر بھی پسپائی کے سوا کچھ حاصل ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

(بشکریہ روزنامہ ''اسلام'')

بقیہ: خاتون خانہ

آتے ہیں جب وہ اپنے ''وکیلانہ'' انداز سے بھی خود کو متعارف کرواتی ہے۔ عمومی حالات میں وہ جمعدارنی، باورچن، دھوبن، مالن، ڈرائیور، نرس، ڈاکٹر، مالشی، ویٹر، استاد، میزبان اور کتنے ہی روپ ہیں جن کے چولے وہ دن بھر بدل بدل کر پہنتی ہے اور دن بھر کی تھکی ہاری اپنے آخری روپ میں یعنی بیوی کی حیثیت سے محو استراحت ہوتی ہے تو بھی اس کا ذہن منتشر ہوتا ہے اور وہ ایک ماہر planner کی طرح اگلے دن کی مصروفیات کا لائحہ عمل ذہن میں تیار کر رہی ہوتی ہے۔

گھریلو خواتین جس طریقے سے اپنے محدود وسائل میں گھر کے بجٹ بناتی ہیں اور اپنے گھروں کی گاڑی کو رواں رکھتی ہیں۔ یہ ان کے بہترین ''مالیاتی ہنر'' کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس طرح وہ رشتوں کی نزاکتوں کو سنبھالتی اور سمجھتی ہیں، ان کی ''سیاسی بصیرت'' کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ بظاہر گھروں میں حکمران نظر آتی ہیں لیکن اصل میں وہ سب کی خدمت گار ہوتی ہیں۔ معاشرے میں کوئی اور ایسا اہم کل پرزہ نہیں ہے جو اتنی اہمیت، اتنی خوبی اتنی خصوصیت کا حامل ہو۔

اور یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہم سمجھتے ہیں کہ خاتون خانہ وہ خاتون ہوتی ہے جو کوئی کام نہیں کرتی۔ امید ہے کہ ہم خاتون خانہ کی تعریف کرتے ہوئے اس کی جملہ خصوصیات کو ذہن میں ضرور رکھیں گے۔ [انتخاب: محمد خلیق، روزنامہ خبریں]

ایک خط، ایک نظم

قابل احترام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! السلام علیکم

کچھ روز قبل آپ نے ٹیلی ویژن پر ایک درس کے دوران فرمایا تھا کہ پارٹیشن سے پہلے سکولوں میں ایک حمد پڑھائی جاتی تھی۔

مجھ کو ہے تیری جستجو، مجھ کو تیری تلاش ہے

آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ نہ جانے یہ کس بھلے آدمی کی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ حمد میرے تایا ایس کے فیروز صاحب کی ہے، جو پارٹیشن سے پہلے مسلم ہائی سکول انبالہ میں ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے۔ حمد پیش ہے:

مجھ کو ہے تیری جستجو، مجھ کو تیری تلاش ہے
جانِ جہاں کہاں ہے تُو، مجھ کو تیری تلاش ہے

گُل میں ہے مثلِ بُو نہاں، بیٹھا ہے چھپ کے تُو کہاں
ڈھونڈا ہے میں نے کُل جہاں، مُجھ کو تیری تلاش ہے

دریا میں آبشار میں وادی میں کوہسار میں
سُنبل کے تار تار میں مُجھ کو تیری تلاش ہے

میرا فروز نام ہے تیری تلاش کام ہے
اللہ یا تُو رام ہے مُجھ کو تیری تلاش ہے

والسلام

شمیم سیفی، لاہور

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیر اہتمام شب بیداری

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیر اہتمام 26 مئی کو شب بیداری پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد از نماز مغرب تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ جناب فیصل وحید نے درس قرآن دیا۔ انہوں نے کہا کہ انسان کی زندگی میں اعلیٰ اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حسن اخلاق کو ہر حال میں ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ جناب منیر احمد گل نے جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کو ہر جگہ تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور جہاد کو دہشت گردی کہا جا رہا ہے۔ جہاد اصل میں اللہ کے دین کے نفاذ کی کوشش کا نام ہے، چاہے یہ اپنے سرکش نفس کے خلاف ہو یا نظام باطل کے خلاف۔ قتال فی سبیل اللہ جہاد کی چوٹی ہے۔ نماز عشاء کے بعد جناب عبدالقدیر بٹ نے نبی اکرم ﷺ کے آخری خطبہ کو موضوع گفتگو بنایا۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ کا یہ خطبہ انسانی حقوق کی تاریخ میں سب سے پہلا اور اعلیٰ چارٹر ہے۔ جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں، اور آپس میں برابر ہیں۔ کسی گورے کو کالے اور اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا کہ میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دو چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب (قرآن) اور میری سنت۔ اس کے بعد جناب عبدالواحد نے سورۃ العصر کی روشنی میں راہ نجات کی وضاحت کی۔ کھانے کے وقفے کے بعد جنید نذیر نے سورۃ المائدہ اور سورۃ المجادلہ کی روشنی میں حزب اللہ اور حزب الشیطان کی وضاحت کی۔ اس کے بعد امیر تنظیم اسلامی سیالکوٹ جناب عبدالقدیر بٹ نے رفقاء کو بتایا کہ سیالکوٹ تنظیم کی وسعت کے پیش نظر اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ رات گیارہ بجے یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔ (رپورٹ: عثمان منظور)

تنظیم اسلامی میرپور کے زیر اہتمام پروگرام

تنظیم اسلامی میرپور کے زیر اہتمام کشمیر پریس کلب میرپور میں 5 جون کو بعد از نماز مغرب ”رحمۃ للعلمین اور اکیسویں صدی“ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ناظم حلقہ پنجاب (شمالی) جناب خالد محمود عباسی نے بڑے مدلل انداز میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ پہلی امتوں کے نبی و رسول کسی ایک قوم یا علاقہ کی جانب بھیجے گئے، جبکہ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ کو ”الہدیٰ“ یعنی قرآن حکیم دے کر بھیجا۔ اللہ جل مجدہٗ کی منشاء یہ ہے کہ دنیا میں میزان یعنی عدل و انصاف کو قائم کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے جزیرہ نما عرب میں نظام عدل و انصاف قائم کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے ایک حدیث مبارکہ کے حوالہ سے بتایا کہ اللہ کی زمین پر خلافت اسلامیہ پھر سے قائم ہوگی، جو کہ علی منہاج النبوۃ ہوگی، اور یہ اس وقت بش اور بلیئر کو صاف نظر آ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا فرعون کہہ رہا ہے کہ اگر ہم عراق و افغانستان میں ناکام ہو گئے تو ہماری تہذیب ہی ختم ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اکیسویں صدی درحقیقت اسلام کی صدی ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی رحمۃ للعلمینی کی تکمیل کی صدی ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ صدی میں تاریخ ایک بڑا یوٹرن لینے والی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب انسانیت شیطانیت سے منہ موڑ کر امن کی جانب متوجہ ہوگی۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ اس موقع پر ہمارا کردار کیا ہو؟ لمحہ موجود میں جب کہ ایک طرف شیطان اور اس کے حواری اپنی کافرانہ و ملحدانہ تہذیب کو پروان چڑھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، کیا رحمٰن کے ماننے والوں کو غیرت ایمانی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے؟ انہوں نے اس نازک اور فیصلہ کن موقع پر ایمان پر ثابت قدمی اور رحمانی تہذیب کے احیاء کے لئے کوشاں رہنے والوں کو دو احادیث مبارکہ کے حوالے سے خوش خبری سنائی کہ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے مشن کو آگے بڑھائیں اور اس کا طریقہ بس وہی ہے جو آپؐ نے قرآن و حدیث کے ذریعہ بتا دیا ہوا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ لوگوں کو قرآن پاک کے ذریعہ خبردار کریں اور قرآن پاک کی اگر ایک آیت ہی کا علم رکھتے ہوں تو اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ انہوں نے قرآن و حدیث اور حضرت علامہ اقبال کے منتخب اشعار کی روشنی میں امت مسلمہ سے ایک بار پھر رجوع الی القرآن کی درخواست کی اور اسے امہ کے جملہ مسائل کے حل کے لئے از بس ضروری قرار دیا۔ آخر میں انہوں نے شرکائے درس کا شکریہ ادا کیا اور امید ظاہر کی کہ وہ آئندہ کے پروگراموں میں بھی اسی ذوق وشوق کے ساتھ بھرپور حاضری کو یقینی بنائیں گے۔

قبل ازیں مقامی ناظم دعوت جناب فیاض اختر میاں نے پروگرام کی غرض و غایت اور تنظیم اسلامی کا مختصر مگر جامع الفاظ میں تعارف پیش کیا۔

تنظیم اسلامی میرپور کے زیر اہتمام منعقدہ اس پروگرام میں مختلف مکتبہ ہائے فکر اور شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے احباب نے شرکت کی اور پروگرام کے انعقاد کو خوش آئند قرار دیا۔ آخر میں احباب کو کھانا کھلایا گیا۔ پریس کلب سے ملحقہ ہال میں عشاء کی باجماعت نماز کے بعد پروگرام کا اختتام ہوا۔ پروگرام کے انعقاد کے لیے کشمیر پریس کلب کی انتظامیہ نے خصوصی تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ (مرتب: سید اعظم حسین گیلانی)

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کا احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام ملعون سلمان رشدی کو سر کا خطاب دینے کے اقدام کے خلاف ایک احتجاجی مظاہرہ کراچی پریس کلب کے سامنے 25 جون کو سہ پہر چار بجے منعقد کیا گیا۔ اس سلسلے میں 14 بینرز اور 6000 ہینڈ بلز تیار کیے گئے تھے۔

کراچی میں 23 جون کے طوفان باد و باراں کے نتیجے میں جو صورتحال چل رہی ہے اور بارشوں کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری ہے اس کے نتیجہ میں توقع نہیں کی تھی کہ معقول تعداد میں رفقاء پریس کلب پہنچ پائیں گے، تاہم امیر حلقہ نے پریس کلب جانے کا فیصلہ کیا اور انھوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ اگر رفقاء تھوڑی تعداد میں آئے تو مظاہرہ کے بارے میں ان سے موقع پر ہی مشاورت کی جائے گی۔ لیکن الحمدللہ، اتنی تعداد میں رفقاء موجود تھے کہ نہ صرف مظاہرہ ہو سکا بلکہ رفقاء کے دو گروپ ریلی کی صورت میں ریگل چوک بھی گئے۔ مظاہرہ کا آغاز جناب عامر خان کی تقریر سے ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ ملعون رشدی کو سر کا خطاب دیا جانا انتہائی قابل مذمت ہے اور تنظیم اسلامی کے رفقاء یہاں اسی کے خلاف احتجاج کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ جناب نوید احمد نے اپنی تقریر میں برطانیہ کی تاریخ کے حوالے سے صحافیوں کو بتایا کہ اس نے کبھی مسلمانوں کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ شیطان رشدی کو سر کا خطاب امت مسلمہ کی غیرت کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ ویسے تو اپنے رسولؐ کی شان میں گستاخی گنہگار سے گنہگار انسان بھی برداشت نہیں کر سکتا، لیکن اگر کوئی اپنے سید زادہ ہونے کا دعویٰ کرے، اس معاملے میں خاموشی اختیار کئے رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اس کی دینی غیرت و حمیت کا جنازہ نکل گیا ہے یا پھر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ اغیار کی رضا مطلوب ہے۔ اس کے بعد شجاع الدین شیخ نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسلمان نہ صرف پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی شان میں گستاخی بلکہ کسی بھی نبی یا پیغمبر کی کردار کشی برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ یہی ہمارے دین کی تعلیم ہے۔ برطانیہ کے خلاف احتجاج ہمارے ایمان کا تقاضا ہے لیکن ہمیں خود اپنے طرز عمل پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ کی تہذیب و تمدن کو اپنایا اور انھیں کے بود و باش کو اختیار کیا ہوا ہے۔ ہم مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ دین کے غلبہ کی جدوجہد کریں، جس کے نتیجے میں نظام خلافت قائم ہوگا، (ان شاء اللہ) اور پھر کسی قوم کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ ہمارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرے اور گستاخیاں کرنے والوں کو خطاب سے نوازے۔ آخر میں طارق امیر پیرزادہ نے گفتگو کی۔ اس کے بعد رفقاء مارچ کرتے ہوئے ریگل چوک پہنچے، جہاں بینرز کا ڈسپلے ہوا، اور تقریریں جاری رہیں۔

نماز عصر سے قبل دعا پر مظاہرہ کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان حقیر کوششوں کو قبول فرمائے، اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین! (رپورٹ: محمد سمیع)

نیٹو کے حملے

افغان اور پاکستانی علاقوں پر نیٹو کے ہیلی کاپٹر اور طیارے حملے کر رہے ہیں جن کی زد میں آ کر کئی لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ نیٹو کمانڈروں کا دعویٰ ہے کہ حملے طالبان پر کیے جا رہے ہیں مگر حملوں کی زد میں آ کر بے گناہ شہری شہید ہو جاتے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق ایک بزرگ پٹھان کے خاندان کے گیارہ افراد ہلاک ہو گئے، تو اس نے غم وصدمے سے نڈھال ہو کر خودکشی کر لی۔ امریکا نے پاکستانی صدر کو خبردار کیا ہے کہ پاکستانی فوج صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ان عناصر کے خلاف حملے کرے جو طالبان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ یہ تو وطن عزیز میں خانہ جنگی کروانے والی بات ہے۔

حسین محمد ارشاد کا استعفیٰ

بنگلہ دیش کے سابق صدر اور جاتیہ پارٹی کے سربراہ حسین محمد ارشاد نے پارٹی سربراہی سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اب جاتیہ پارٹی کے نئے سربراہ سابق وزیر خارجہ انیس السلام مقرر ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ عوامی لیگ اور بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی کے بعد جاتیہ پارٹی بنگلہ دیش کی سب سے بڑی جماعت ہے۔

تاہم محمد ارشاد کی بیوی روشن ارشاد نے اپنے دھڑے کا اعلان کر دیا ہے۔ روشن کا دعویٰ ہے کہ جاتیہ کے بیشتر رہنما اس کے ساتھ ہیں۔ اگر دونوں دھڑوں میں اتفاق نہ ہوا، تو جماعت اسلامی بنگلہ دیش ملک کی تیسری بڑی جماعت بن جائے گی۔

اخوان المسلمون کے کارکنوں کی گرفتاری

مصری پولیس نے اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے پچاس طلبہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ ان کا تعلق مختلف مصری یونیورسٹیوں سے ہے۔ انہیں اخوان المسلمون کا لٹریچر پھیلانے کے ''جرم'' میں گرفتار کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ مصری حکومت نے اخوان پر پابندی لگا رکھی ہے اور قانوناً اس کا لٹریچر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود مصر میں اخوان المسلمون کا اثر کم نہیں ہوا۔ پچھلے پارلیمانی انتخابات میں وہ 88 نشستیں جیت کر پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کی سب سے بڑی جماعت بن گئی تھی۔

ڈک چینی اور پاکستان

امریکی ذرائع ابلاغ نے انکشاف کیا ہے کہ پاکستان کے سلسلے میں پالیسی امریکی نائب صدر ڈک چینی کے دفتر میں بنتی ہے، جو بش حکومت میں انتہائی طاقت کا حامل رہنما سمجھا جاتا ہے۔ امریکی ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ ڈک چینی کو امریکی تاریخ کا سب سے طاقتور نائب صدر کہا جا سکتا ہے۔

بوسنیا کے 436 بدنصیب

پچھلے دنوں بوسنیا کے علاقہ سربرینکا کی ایک اجتماعی قبر سے 436 مسلمانوں کی لاشیں برآمد ہوئی تھیں۔ انہیں 11 جولائی کو ایک خصوصی تقریب میں دفنایا جائے گا۔ یاد رہے کہ 11 جولائی 1995ء کو سرب فوج نے سربرینکا پر قبضہ کر لیا تھا۔ پھر اس نے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کے جو پہاڑ توڑے، ان کے بارے میں سن کر روح تھرتھرا اٹھتی ہے۔ ظالم سربوں نے صرف دو ماہ کے اندر آٹھ ہزار مسلمان شہید کر دیے تھے۔ اس قتل عام کو عالمی ادارۂ انصاف نے بھی نسلی صفایا (Genocide) قرار دیا ہے۔ یہ نسلی صفایا انتہائی وحشیانہ انداز میں سربوں کے رہنما، ردوان کاراڈزچ اور سرب فوج کے سربراہ راٹکو مالڈچ کی زیر نگرانی ہوا تھا۔ بوسنیا میں تعینات امن فوج اب تک ان دونوں انسانیت کے دشمنوں کو گرفتار نہیں کر سکی۔

ایران، پاکستان اور بھارت گیس پائپ لائن

اس پائپ لائن کا منصوبہ قیمت میں تنازع کی وجہ سے کھٹائی میں پڑ گیا تھا لیکن لگتا ہے کہ اب اس سلسلے میں پیش رفت ہو رہی ہے۔ یہ پائپ لائن 7.5 ارب ڈالر کی لاگت سے تعمیر ہو گی اور اس کے ذریعے 60 ملین کیوبک میٹر گیس ہر سال ترسیل ہونی ہے۔ پاکستان اور بھارت یہ گیس آدھی آدھی بانٹ لیں گے۔ پاکستانیوں اور بھارتیوں نے گیس کی جو قیمت پیش کی تھی، وہ ایرانی حکومت نے مسترد کر دی تھی۔ اب لگتا ہے کہ یہ قیمت بڑھا دی گئی ہے۔

امریکی تعصب کی کھلی مثال

امریکی ریاست جارجیا میں مقیم ایک مسلمان عورت کا چالان ہوا، تو وہ فیس جمع کرانے مقامی عدالت گئی۔ اس وقت اس نے سر پر سکارف لیا ہوا تھا۔ جب وہ جج کے کمرے میں داخل ہونے لگی تو سادہ کپڑوں میں ملبوس ایک پولیس والے نے اُسے روک لیا اور کہا کہ سکارف اتار کر ہی اندر جاؤ۔ خاتون نے بڑا کہا کہ یہ میرے مذہب کا حکم ہے لیکن وہ تعصب پسند آدمی نہ مانا۔ آخر خاتون کو سکارف اتار کر عدالت میں داخل ہونا پڑا۔

اس واقعے سے ظاہر ہے کہ بش حکومت نے پروپیگنڈے کے بل پر امریکیوں کے قلوب واذہان میں مسلمانوں کے خلاف زہر گھول دیا ہے۔ بش حکومت کا یہی منشا تھا کہ وہ داڑھی اور برقع کو مشتبہ کر دے اور وہ اُس میں خاصی حد تک کامیاب رہی۔

ٹونی بلیئر کی نئی ذمے داری

برطانیہ کے سابق وزیراعظم ٹونی بلیئر کو نئے وزیراعظم جان براؤن نے مشرق وسطیٰ میں ''امن کا سفیر'' مقرر کیا ہے۔ لیکن اس اعلان سے عرب اور فلسطینی خوش نہیں ہوئے۔ کیونکہ عراق پر حملہ کرنے میں بش کا ساتھ دینے پر وہ عرب عوام میں نامقبول ہیں۔ اس لیے اُمید یہی ہے کہ دیگر ''امن کے سفیروں'' کی طرح مسٹر بلیئر بھی اسرائیل کی چمچہ گیری کرنے میں مصروف رہیں گے، اور عرب مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہے گی۔

ایران میں پٹرول کی راشن بندی

ایرانی حکومت آج کل پٹرول کی راشن بندی کر رہی ہے تاکہ امریکیوں کی طرف سے حملے کی صورت میں پٹرول عقلمندانہ ہو جائے۔ مگر عام ایرانیوں کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ پچھلے دنوں تہران میں ناراض نوجوانوں نے پٹرول پمپ جلا دیے اور صدر احمدی نژاد کے خلاف نعرے لگائے۔ دراصل ایران کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ دنیا میں چوتھا بڑا پٹرول پیدا کرنے والا ملک ہونے کے باوجود وہاں پٹرول ذخیرہ کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے، اس لیے ایرانی حکومت 40 فیصد پٹرول باہر سے منگواتی ہے۔

فلسطین کی صورت حال

فلسطین اتھارٹی کے صدر محمود عباس عرب دنیا سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔ محمود عباس کا جھکاؤ امریکا اور اسرائیل کی طرف زیادہ ہے اور یہ خطرناک بات ہے۔ محمود عباس کو چاہیے کہ وہ عربوں کے ساتھ ساتھ مخالف فلسطینیوں سے بھی رابطہ رکھیں اور ساتھ لے کر چلیں۔

فلسطین کے موجودہ حالات تمام سنجیدہ فکر اور حساس مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ عراق پہلے ہی خانہ جنگی میں گرفتار تھا کہ اب ایک اور اسلامی ملک میں اسلام دشمنوں نے مسلمانوں کے مابین شک وشبے کے بیج بو دیے ہیں۔ اگر عراق اور فلسطین کے مسلمان نہ سنبھلے تو امریکا اور اسرائیل اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اسرائیل کا منصوبہ ہے کہ وہ اپنی سرحد فرات تک بڑھا لے اور کوئی ڈھکا چھپا منصوبہ نہیں۔

the basic principles of democracy that 'sovereignty belongs to the people' is incompatible with the Islamic spirit, as it challenges the basic Islamic principle of Divine Sovereignty' which necessitates the supremacy of the Qur'an and *Sunnah*.

Other than the above-mentioned conditions, *din wa dawlah* {Islam is religion and State) assumes that government and religious administration are separate, to be brought into harmony in the spirit of Islam, but different functions nevertheless. Theocracy in the narrow sense is clearly un-Islamic because Islam knows no clergy.

The second term coined by Maulana Abul Ala Maudoodi to describe the political theory of Islam was that of *popular vicegerency*. He coined this term to delineate the fact that Islam rejects the idea of popular sovereignty.' Although this is a satisfactory term, Dr. Israr suggests an improvement to prevent any misunderstanding. In the Islamic political system, the *Khilafah* or vicegerency actually belongs to the Muslims rather than to all the citizens of a given nation-state irrespective of their beliefs. Instead of *popular vicegerency*, therefore, Dr. Israr uses the term *collective vicegerency of the Muslims*.

قرآن کا پیغام خلافت کا قیام

تنظیم اسلامی کی پیش کش

امیر تنظیم اسلامی حافظ **عاکف سعید** صاحب

یا دیگر مرکزی ذمہ داران تنظیم کا

مرکزی خطابِ جمعہ

جو بالعموم تذکیر بالقرآن، حالات حاضرہ پر تبصرے اور آئندہ کے لائحہ عمل پر مشتمل ہوتا ہے۔

اب آپ ہر ہفتے اپنی جگہ پر سُن سکتے ہیں

جن شہروں میں کوریئر سروس موجود ہے وہاں بذریعہ کوریئر، بصورت دیگر ڈاک کے ذریعے اس خطاب کا کیسٹ اگلے ہی دن یعنی ہفتے کے روز آپ کے پتے پر ارسال کر دیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

ممبر بنیں اور استفادہ کریں

سالانہ ممبر شپ فیس۔ 750 روپے ﴿TDK کیسٹ﴾

مرکز تنظیم اسلامی میں نقد، منی آرڈر یا پھر ڈرافٹ کے ذریعے رقم جمع کروائیں اور رسید حاصل کریں

نوٹ: یہی خطاب جمعہ بذریعہ Internet ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org سے براہ راست یا Download کر کے بھی سنا جا سکتا ہے۔

تنظیم اسلامی

A/67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

مزید معلومات کے لئے درج ذیل نمبرز پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

فون نمبرز: 6316638/6366638 فیکس: 6271241

Email:markaz@tanzeem.org

websit:www.tanzeem.org

بقیہ: **خطاب جمعہ**

رہی ہیں، جن کا شریعت سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ یاد رکھیے! سنت رسول ﷺ اسلامی شریعت اور قانون کا بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن حکیم کی تفسیر بھی اسی کی روشنی میں کی جا سکتی ہے۔ اگر سنت کی بجائے محض اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا کر قران کی تفسیر کی جائے گی تو مدعا کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزا کے متعلق فرمایا گیا:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ...... (۳۸)﴾ (المائدہ)

''اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ اُن کے فعلوں کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔''

غلام احمد پرویز نے اِس کی عجیب تعبیر کی ہے، اُن کا کہنا یہ ہے کہ "فاقطعوا ایدیھما" (اُن کے ہاتھ کاٹ دو) کا مطلب ہاتھ کاٹ دینا نہیں ہے۔ یہ تو مولویوں نے سنت اور حدیث کی بنیاد پر مطلب نکال لیا ہے۔ اس سے مراد (بقول اُن کے) یہ ہے کہ ایسا ماحول بنا دیا جائے جس میں چوری کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ ذرا سوچئے کہ یہ کس قدر گمراہ کن تعبیر ہے، اور یہ دراصل سنت سے انکار کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "فاقطعوا ایدیھما" سے مراد ہاتھ کاٹنا ہی ہے۔ چنانچہ اِسی آیت کے اگلے حصہ میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ یہ اُن کے کئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔ یعنی یہ سزا اِس لیے ہے تاکہ لوگ اِس سے عبرت پکڑیں۔ اب ظاہر ہے کہ عبرت ''ہاتھ کاٹنے کی سزا'' ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے، ایسے ماحول سے حاصل نہیں کی جا سکتی جس میں چوری کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

دوسرے یہ کہ یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ محض ماحول بہتر بنا دینے اور معاشی کفالت کا انتظام کر دینے سے چوری کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو امریکہ اور سکینڈے نیوین ممالک میں چوریاں نہ ہوتیں، جہاں ویلفیئر اور بہبود کا نظام موجود ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ چوری کا خاتمہ اسلامی سزا کے نفاذ سے ہوتا ہے۔ اِس کی مثال سعودی عرب ہے، جہاں ''قطع ید'' کے نفاذ کے برکت سے چوریاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگرچہ اب جبکہ بیرونی ممالک سے بہت سے لوگ وہاں جا کر آباد ہوئے ہیں، اور کسی حد تک چوری کی شرح میں اضافہ ہوا ہے، تاہم مجموعی طور پر صورتحال اب بھی قابو میں ہے۔

انکار سنت کے فتنہ کی پشت پر امریکہ کی دجالی طاقت ہے۔ امریکہ اور اُس کے اتحادی منظم سازش کے تحت مسلمانوں کا رشتہ نبی اکرم ﷺ سے توڑنا چاہتے ہیں۔ آپ کی سنت سے انہیں دور کرنا چاہتے ہیں۔ مغربی ممالک کے پرنٹ میڈیا میں پیغمبر اسلام ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے لے کر سلمان رشدی کو سر کا خطاب دینے تک ہر جگہ یہی ناپاک جذبہ کارفرما ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اپنے نبی ﷺ کی جو عظمت اور توقیر و تعظیم پائی جاتی ہے اُس پر ضرب لگائی جائے، اور نبی اکرم ﷺ سے اُن کا تعلق کمزور کیا جائے، تاکہ اُن کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اہمیت ختم ہو جائے۔ [مرتب: محبوب الحق عاجز]

NATURE OF ISLAMIC STATE in the Eye of Allama Iqbal, Maulana Moudoodi & Dr. Israr

By Abidullah Jan

(from his Book: The Ultimate Tragedy)

The first individual to have systematically applied his intellectual genius in the matter of *Hukumat-e-Ilahiyah* (Divine Sovereignty) was Allama Muhammad Iqbal. In his 6th lecture on *'Reconstruction of religious thought in Islam'*, entitled *"The Principle of Movement in the Structure of Islam,"* Allama Iqbal stated that an Islamic model of governance is established on the principles of freedom and equality in the following words:

The republican form of government is not only thoroughly consistent with the spirit of Islam, but has also become a necessity in view of the new forces that are set free in the world of Islam."(p. 125)

Allama Iqbal had delivered his famous lectures in 1928. Eleven years later, in 1939, Maulana Sayyid Abul Ala Maudoodi gave a lecture in Lahore, which was later published under the title *Islam ka Nazaria-e-Siyasi* (Political Theory of Islam), whereby he described two key terms in connection with Islamic political doctrine. The first is *theo-democracy* and the other is *popular vicegerency*.

There is a misconception about Maulana Maudoodi's true position about democracy. Maulana Maudoodi initially criticized Western democracy because of its secularism and popular sovereignty (in the sense that Parliament can make any law even if it violates the Law of Allah). However, his later writings and political conduct proved that he believed in democracy (rule of the people) subject to the Law of Allah (Sovereignty of Allah).

By coining the term *theo-democracy*, Maulana Maudoodi has emphasized the point that the Islamic political system is neither a pure theocracy nor a full-fledged Western style democracy, but that it has elements of both. It must go without saying that the word " *theo*" is used in the sense of Islamic principles not any class. It is not a theocracy of the kind that once existed in Europe where the suzerainty of God was translated into an arbitrary rule of a priestly class but is instead invested in a single head whose rule operates strictly within the Divine injunctions of revelation that is the Qur'an and the *Sunnah*.

Dr. Israr Ahmad describes the concept of a *theo-democracy* by borrowing a similitude from a *Hadith* of the Prophet Muhammad (pbuh). According to a *Hadith* reported by Abu Saeed Al-Khudri(R.A) and narrated by Imam Ahmad, Prophet Muhammad (pbuh) compared a believer with a horse that is bound to a peg with a rope.

In Dr. Israr Ahmad's view: "If we extend this similitude a little further, we can see that this can serve as an excellent way of describing the combination of freedom and restriction that is characteristic of a believer's life. Suppose you have a horse that you do not want to lose, then you must use a rope to restrain it; at the same time, you want the horse to run around a bit so that its muscles may not become weak due to lack of exercise. To prevent the horse from running away, you would secure it to a peg; but to make sure that it exercises, you would use a rather long rope. If the rope is 100 meters long, for instance, the horse will be free within this circle of 100 meters radius. The horse can do whatever it wants within that circle, but it cannot go beyond the circle. Applying this similitude to the behavior that is required of us, we can see that although Muslims are free within the limits of the *Shariah*, they can- not transgress those limits, as these constitute limits of Allah *(hudud Allah*), the limits set by the Creator Lord. The clear injunctions of the Qur'an and *Sunnah* constitute the *hududulallah* (limits set by Allah) that can neither be amended nor abrogated. No one has the authority to change these limits, not even the entire body of a legislative assembly!"

By delegating sovereignty to Allah, human beings restrict themselves within the limits of the *Shariah*. It does not mean that an Islamic entity would be a kind of theocracy where a special or privileged class of priests or any other particular ecclesiastic class or group would run the show. There are no infallible religious Divines in Islam. Instead, it refers to the fact that, just like an individual Muslim, the Islamic government must remain within the limits of the *Sharialh* and must not transgress the limits set by the Qur'an and *Sunnah*.

According to Dr. Israr Ahmad, the inside of the circle in the similitude is of freedom that represents the lawful, permissible, and legitimate (mubah). The neo-moderates of Islam and others are taking the concept of *shura* in Islam for granted, but in reality this concept amounts to what is called in the Qur'an *amruhum-or* "their affairs" which need to be dealt with mutual consultation.

'Mutual consultation, is used only for those affairs in which the choice is between two or more lawful alternatives-mubah. In such a situation, the issue is resolved through discussion, deliberation, mutual consultation, voting or any such method. Dr. Israr Ahmad believes that under the Islam'ic system, all the higher values of democracy can be incorporated within the circle of the lawful or *mubah*. However, it should be clear that one of

Vol: 16 | Regd. No. LRL -50 | No. 26

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

ہم تنظیمِ اسلامی اور تحریکِ خلافت پاکستان کی جانب سے

پاکستان کی وکلاء برادری

کی خدمت میں ہدیہ تبریک اور خراج تحسین پیش کرتے ہیں جن کی بے لوث‘
مشقت طلب‘ منظم‘ پرامن اور پیہم جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان میں

عدلیہ کی آزادی اور وقار

کی بحالی کی قوی امید پیدا ہوگئی ہے۔ اور بعض دوسرے اعتبارات سے پاکستان کے مستقبل پر مایوسی کے جو اندھیرے مسلط ہیں، ان میں امید کی ایک اہم کرن نظر آئی ہے! اللہ کرے کہ یہ تحریک اسی طرح منظم اور پرامن طور پر کامیابی کے آخری مرحلے تک جاری رہے!!

ساتھ ہی ہم **قوم کی تعلیم یافتہ مڈل کلاس** کے اس اہم طبقے

کو اس حقیقت کی جانب بھی متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے استحکام کے لیے جہاں صاف ستھری اصولی سیاست‘ آزاد اور باوقار عدلیہ‘ دیانتدار اور ذمہ دار انتظامیہ‘ حقیقی معنی میں وفاقی نظام‘ معاشی عدل وانصاف اور آزاد لیکن اخلاقی اصولوں کے پابند ذرائع ابلاغ کا وجود ناگزیر ہے وہاں ع ’’خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ‘‘ کے مصداق پاکستان کے قیام (Genesis) کے پس منظر کے اعتبار سے اس کے استحکام ہی نہیں بقا کا دارومدار بھی اس پر ہے کہ

یہاں **نظامِ خلافت** قائم کیا جائے‘

جس کی دستور پاکستان میں پہلی اینٹ ’’قراردادِ مقاصد‘‘ کی شکل میں رکھ دی گئی تھی جس پر بعد ازاں بعض دوسرے اضافے بھی ہوئے لیکن یہ جملہ دفعات دستور میں موجود چند چور دروازوں کی بنا پر غیر مؤثر رہیں۔ چنانچہ اب لازم ہے کہ پاکستان کے دستور میں ترامیم کے ذریعے ان چور دروازوں کو بند کر دیا جائے، تاکہ دستوری اور قانونی سطح پر نظام خلافت کی جانب عملی پیش قدمی کا آغاز ہو سکے! ہماری دعا ہے کہ اس سلسلے میں جدوجہد کا پہلا قدم بھی اللہ تعالیٰ وکلاء برادری ہی کو اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے‘ جن کی تحریک بحمداللہ سیاسی دھڑے بندیوں سے بالاتر ہے‘ آمین!! اس سلسلے میں وضاحت اور تبادلۂ خیال کے لیے ہم ہروقت حاضر ہیں!

حافظ عاکف سعید
امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد
داعی تحریک خلافت پاکستان

36-K‘ ماڈل ٹاؤن لاہور (فون: 5834249-5869501-3)
67-A‘ علامہ اقبال روڈ‘ گڑھی شاہو لاہور (فون: 6316638-6366648)